اپریل ۱۹۹۸ء

ماہنامہ

میثاق

لاہور

مدیر مسئول
ڈاکٹر اسرار احمد

☆ شہید مظلوم : حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ

☆ تصادم کا مرحلہ اول : صبر محض اور عدم تشدد

بسلسلہ منہج انقلاب نبویؐ ـــــ امیر تنظیم اسلامی کے خطابات

کیا آپ جاننا چاہتے ہیں کہ

- ازروئے قرآن حکیم ہمارا دین کیا ہے؟
- ہماری دینی ذمہ داریاں کون کون سی ہیں؟
- نیکی، تقویٰ اور جہاد کی اصل حقیقت کیا ہے؟

تو مرکزی انجمن خدام القرآن کے جاری کردہ

خط و کتابت کورس :

قرآن حکیم کی فکری و عملی رہنمائی

سے استفادہ کیجئے!

نیز

اللہ کے پر تاثیر کلام سے زیادہ سے زیادہ فیضیاب ہونے کی خاطر
عربی زبان سیکھنے کے لئے، اس کے ابتدائی قدم کے طور پر

عربی گرائمر خط و کتابت کورس

میں داخلہ لیجئے!

مزید برآں ترجمہ قرآن حکیم کورس میں بھی داخلے جاری ہیں

مزید تفصیلات اور پراسپکٹس کے حصول کے لئے رابطہ کیجئے :

شعبہ خط و کتابت کورسز

قرآن اکیڈمی، 36۔کے، ماڈل ٹاؤن لاہور، فون : 5869501

وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَمِيثَاقَهُ الَّذِي وَاثَقَكُمْ بِهِ إِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا (القرآن)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل کو اور اس کے اُس میثاق کو یاد کرو جو اُس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے مانا اور اطاعت کی۔

ماہنامہ میثاق لاہور

مدیر مسئول
ڈاکٹر اسرار احمد

جلد :	۴۷
شمارہ :	۴
ذوالحجہ	۱۴۱۸ھ
اپریل	۱۹۹۸ء
فی شمارہ	۱۰/-
سالانہ زر تعاون	۱۰۰/-

ادارہ تحریر

شیخ جمیل الرحمٰن
حافظ عاکف سعید
حافظ خالد محمود خضر

سالانہ زر تعاون برائے بیرونی ممالک

○ امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ	22 ڈالر (800 روپے)
○ سعودی عرب، کویت، بحرین، قطر، عرب امارات، بھارت، بنگلہ دیش، افریقہ، ایشیا، یورپ، جاپان	17 ڈالر (600 روپے)
○ ایران، ترکی، اومان، مسقط، عراق، الجزائر، مصر	10 ڈالر (400 روپے)

ترسیل زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور رجسٹرڈ

مقام اشاعت : 36۔کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور 54700۔فون : 03۔02۔5869501

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی : 67۔ گڑھی شاہو، علامہ اقبال روڈ، لاہور، فون : 6305110

پبلشر : ناظم مکتبہ، مرکزی انجمن، طابع : رشید احمد چودھری، مطبع : مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

مشمولات

☆ عرض احوال ______ ۳
حافظ عاکف سعید

☆ منہج انقلاب نبوی ﷺ (۵) ______ ۷
تصادم کا مرحلۂ اول : صبر محض اور عدم تشدد
ڈاکٹر اسرار احمد

☆ غلطیوں کی اصلاح کا نبوی طریق کار (۲) ______ ۴۳
علامہ محمد صالح المنجد

☆ شہید مظلوم (۱) ______ ۵۵
حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ
ڈاکٹر اسرار احمد

☆ گوشہ خواتین ______ ۷۳
عظمت کے نشان
پیر کرم شاہ الازہری

افکار و آراء ______ ۷۹
خاندان کی سربراہی اور اسلام

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

عرضِ احوال

یہ بات اکثر قارئین کے علم میں ہو گی کہ ان دنوں امیر تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ اپنے گھٹنوں کے بڑے آپریشن کے سلسلہ میں ملک سے باہر ہیں۔ گھٹنوں کی تکلیف گزشتہ تین چار سال سے بہت شدت اختیار کر چکی تھی اور ماہر معالجین تین سال قبل اس رائے تک پہنچ چکے تھے کہ "تبدیلیٔ گھٹنا" یعنی "Total Knee Replacement" ہی مسئلے کا واحد حل ہے۔ اکثر معالجین کی رائے یہ تھی کہ اس آپریشن میں تاخیر غیر مناسب ہو گی۔ تاہم بعض وجوہات کی بنا پر اس آپریشن میں تاخیر ہوتی چلی گئی۔ ان میں ایک بڑا سبب یہ بھی تھا کہ امیر محترم شروع میں اس بارے میں متردد رہے کہ یہ آپریشن پاکستان میں کرایا جائے یا امریکہ میں ـــــ امریکہ میں مقیم رفقاء و احباب کے حلقے میں شامل ڈاکٹراور سرجن حضرات کا اصرار تھا کہ آپریشن کے سلسلے میں جو سہولتیں اور خصوصاً بعد از آپریشن نگہداشت اور فوری ضروری علاج کا جتنا عمدہ انتظام امریکہ میں ہے اس کا عشر عشیر بھی پاکستان میں دستیاب نہیں ہے لہٰذا یہ سوچنا ہی غلط ہو گا کہ یہ آپریشن پاکستان میں کرایا جائے۔ تاہم گزشتہ سال کے وسط تک امیر تنظیم کا فیصلہ تھا کہ وہ پاکستان ہی میں آپریشن کرائیں گے اور اس ضمن میں معروف آرتھوپیڈک سرجن ڈاکٹر عامر عزیز سے مسلسل رابطہ تھا جو ہر طرح سے تعاون کیلئے تیار ہی نہیں بے تاب تھے ـــــ لیکن گزشتہ سال نومبر میں تنظیم اسلامی نارتھ امریکہ کے کنونشن کے موقع پر وہاں کے بعض سینئر رفقاء نے امیر محترم کے آپریشن کے حوالے سے نہایت جذباتی بلکہ رقت آمیز تقاریر کیں۔ امیر محترم نے ۱۳ جنوری کو قرآن اکیڈمی کراچی سے رفقاء تنظیم کے نام جو مفصل خط تحریر کیا تھا جو بعد میں "ندائے خلافت" میں شائع بھی ہوا' اس میں اس معاملے کا تذکرہ اِن الفاظ میں ہے :

> "میرے گھٹنوں کے عارضے کے ضمن میں تو تنظیم کے ملتزم رفقاء کی عظیم اکثریت نے تو فیصلہ دے ہی دیا تھا کہ اب آپریشن میں مزید تاخیر نہیں ہونی چاہئے اور یہ آپریشن امریکہ ہی میں کرایا جانا چاہئے۔ تاہم میں خود اور میرے جملہ اہل خانہ

بالخصوص میری اہلیہ نومبر ۹۷ء کے اواخر تک اس پر جازم تھے کہ اپریشن لاہور ہی میں کرایا جائے گا۔ لیکن اواخر نومبر میں تنظیم اسلامی نارتھ امریکہ کا جو سالانہ اجتماع ہوسٹن (ٹیکساس' امریکہ) میں ہوا۔ اس میں تنظیم کے ملتزم رفقاء کا جو خصوصی اجلاس منعقد ہوا اس کے بعد مجھے ہتھیار ڈال دینے کے سوا کوئی چارۂ کار نظر نہ آیا۔ اس لئے کہ اس موقع پر متعدد سینئر رفقاء نے جس اصرار والحاح بلکہ رقت آمیز انداز میں مجھ سے اپیل کی (یہاں تک کہ بعض رفقاء بالفعل رونے بھی لگے' جس پر خود میں بھی اپنے آنسو ضبط نہ کر سکا) اس پر سوائے "سپرانداختن" کے کوئی اور طرز عمل ممکن ہی نہیں تھا (رقت کے باعث بولنا بھی ممکن ہی نہیں تھا!)۔ البتہ بعد میں' میں نے اس فیصلے کا اعلان کر دیا کہ میں اس پورے معاملے کو "سپردم تو مایہ خویش را" کے انداز میں اولاً اللہ تعالیٰ کے اور ثانیاً بالکلیہ تنظیم اسلامی نارتھ امریکہ کے حوالے کرتا ہوں ـــــ ادھر وہ حضرات تو جیسے سبز جھنڈی کی ذرا سی حرکت ہی کے منتظر تھے۔ چنانچہ جھٹ پٹ فیصلہ ہو گیا کہ میرے پہلے سے اعلان شدہ پروگراموں کی تکمیل کے فوراً بعد ـــــ یعنی لگ بھگ مارچ ۱۹۹۸ء میں ڈیٹرائٹ کے مشہور ہنری فورڈ ہاسپٹل میں آپریشن کرایا جائے گا"۔

بحمد اللہ' طے شدہ پروگرام کے مطابق ۲۶ مارچ کو پاکستانی وقت کے مطابق ساڑھے نو بجے شب امریکہ کے شہر ڈیٹرائٹ میں امیر محترم کے دونوں گھٹنوں کا بیک وقت آپریشن ہوا۔ یہ آپریشن قریباً ۴ گھنٹوں پر محیط تھا۔ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ یہ مرحلہ بخیر و خوبی طے ہو گیا۔ آپریشن کے بعد تین چار روز اگرچہ خاصی تکلیف میں گزرے اور پیٹ میں اپھارے کی شکایت بھی رہی تاہم کوئی بڑی پیچیدگی بحمد اللہ پیدا نہیں ہوئی۔ حال ہی میں امیر محترم سے جو رابطہ ہوا ہے اس سے یہ جان کر اطمینان ہوا کہ اب تکلیف میں خاصا افاقہ ہے۔ ڈیٹرائٹ میں امیر محترم کے خصوصی معالج ڈاکٹر سراج الحق نے تازہ ترین صورتحال کے بارے میں ای میل کے ذریعے جو اطلاع رفقاء تنظیم کے نام بھیجی ہے وہ حسب ذیل ہے :

"محترم ڈاکٹر صاحب آپریشن کے بعد صحت یابی کے مرحلے میں ہیں۔ سرجری کے بعد پیش آنے والے معمول کے مسائل کے علاوہ کوئی بڑی پیچیدگی نہیں ہوئی

ہے۔ آج محترم ڈاکٹر صاحب بستر سے اتر کر آٹھ دس قدم چلے تھے۔ فزیو تھراپی شروع کرنے کے سلسلے میں وہ زیادہ رضامند نہیں ہیں' لیکن یہ بہت ضروری ہے تاکہ وہ جلد از جلد صحت یاب ہو سکیں اور سرجری کی پیچیدگیاں زُونما نہ ہوں۔ میرا خیال ہے کہ ہمیں اُن کو اِس سلسلے میں تھوڑا سا Push کرنا پڑے گا۔ فی الحال میں فون کالز یا ملاقاتوں کی حوصلہ افزائی نہیں کرتا"۔

محمد سراج الحق' ڈیٹرائٹ

آپریشن سے متصلاً قبل ۲۴ مارچ کو امیر محترم نے رفقاء کے نام ایک اور مفصل خط بذریعہ فیکس ہمیں ارسال کیا تھا جو یکم اپریل کے "ندائے خلافت" میں "آپریشن سے قبل امیر تنظیم اسلامی کا آخری خط" کے عنوان سے شائع کر دیا گیا ہے۔ جو احباب اس خط سے دلچسپی رکھتے ہوں وہ مذکورہ "ندائے خلافت" کا مطالعہ ضرور فرما لیں"۔

• ایک مسلمان کی انفرادی و اجتماعی ذمہ داریاں کون کون سی ہیں؟
• دعوت و تبلیغ اور غلبۂ دین کی جدوجہد اضافی نیکی کے کام ہیں
یا بنیادی فرائض میں شامل ہیں؟
ان موضوعات پر ایک مختصر لیکن نہایت جامع کتابچہ

دینی فرائض کا جامع تصوّر

از: ڈاکٹر اسرار احمد

عمدہ کمپیوٹر کتابت ● صفحات: ۴۰ ● قیمت: اشاعت خاص -/۸' اشاعت عام -/۴۰

شائع کردہ: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن' ۳۶۔کے ماڈل ٹاؤن' لاہور

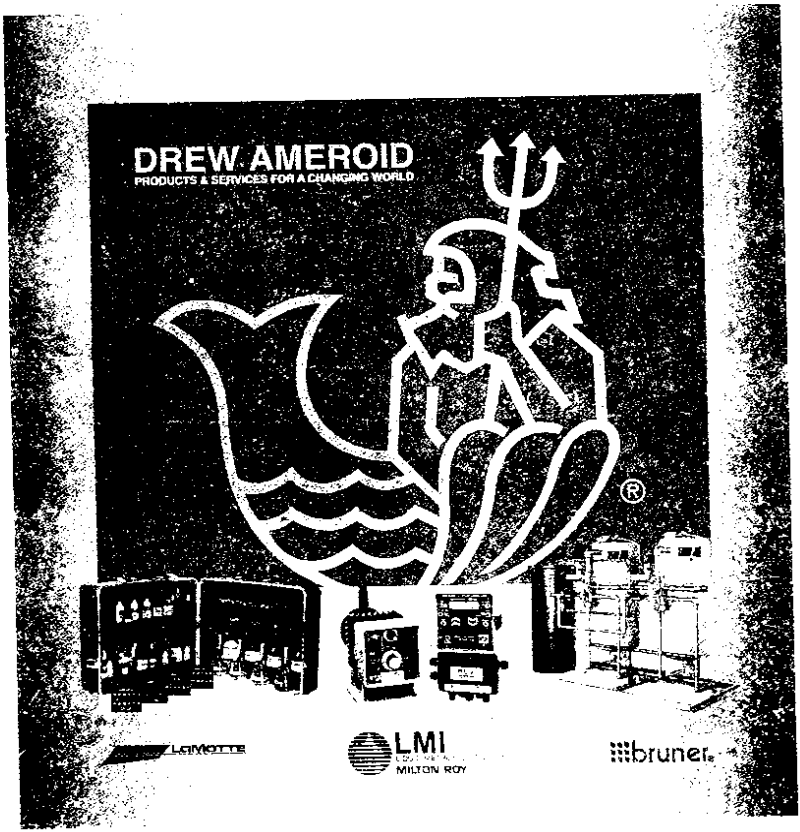

ORIENT WATER SERVICES (PVT) LTD.

THE INDUSTRIAL WATER TREATMENT COMPANY

KARACHI
Tel: 453-3527 453-9535
Fax: 454-9524

LAHORE
Tel: 712-3553 722-5860
Fax: 722-7938

ISLAMABAD
Tel: 273168 277113
Fax: 275133

FAISALABAD
Tel: 634626
Fax: 634922

سلسلۂ تقاریر ——— منہج انقلابِ نبویؐ ——— خطابِ سوم

تصادم کا مرحلۂ اوّل
صبرِ محض اور عدم تشدّد

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد
(مرتّب : شیخ جمیل الرحمٰن)

حیرت ہوتی ہے کہ ہمارے دین کا اور رسول اللہ ﷺ کی سیرت کا انقلابی پہلو ہماری نگاہوں سے اوجھل رہا ہے۔ ہم نے نوع انسانی کے عظیم ترین انقلابی جناب محمد ﷺ کی ذاتِ اقدس پر تقدس' احترام اور تعظیم کا ایک ہالہ اس انداز سے قائم کیا ہوا ہے کہ ہم نے اپنے ذہنوں میں ایک مافوق الفطرت (Super Human) شخصیت کا ہیولیٰ اور نقشہ جما رکھا ہے۔ جس کی وجہ سے عقیدت و عظمت کا احساس تو پوری طرح موجود ہے لیکن یہ کہ نبی اکرم ﷺ نے یہ انقلاب کس طور سے برپا فرما دیا' اور سطح زمین پر حضورؐ کی جدّوجُہد کن مراحل سے گزری ہے اور حضورؐ نے قدم بقدم خالص انسانی سطح کی کشمکش سے گزر کر اور ہر مرحلہ پر مصائب و شدائد' تکالیف اور مشکلات جھیل کر کس طریقے پر اسلامی انقلاب کو تکمیل تک پہنچایا ہے' ان اہم امور کا ہم نے جائزہ ہی نہیں لیا۔ اس لئے کہ اس پہلو سے حضورؐ کا اتباع ہمارے پیش نظر ہی نہیں رہا۔ یہ تو اُس وقت ہو گا جب کہ دل میں یہ عزم پیدا ہو جائے کہ اسلامی انقلاب برپا کرنا ہے۔ تب انسان سیرتِ مطہرہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا خاص طور پر اس پہلو سے مطالعہ کرے گا کہ وہ کیا اہم نشاناتِ راہ (Land Marks) ہیں جو ہمیں سیرت مبارکہ سے اسلامی انقلابی عمل کے لئے ملتے ہیں۔

ایک الزام کی وضاحت

تصادم کے مراحل کے ذکر سے پہلے دو باتوں کو ذہن میں رکھنا ضروری ہے۔ پہلی بات یہ کہ ہمیں لفظ تصادم سے گھبرانا نہیں چاہئے۔ دوسری بات یہ کہ دنیا کے سامنے ہمارا انداز جو معذرت خواہانہ اور apologetic رہا ہے کہ اسلام میں تو صرف مدافعانہ جنگ ہے' تصادم اور جارحیت نہیں ہے' اس کو پہلے اپنے ذہن سے نکال دینا چاہئے۔ اس کا باعث اغیار کا یہ شدید اعتراض تھا کہ یہ مسلمان قوم بڑی خونی قوم ہے اور اسلام کی جو بھی اشاعت و تبلیغ ہوئی ہے وہ تلوار کے زور سے ہوئی ہے ع "بوئے خوں آتی ہے اس قوم کے افسانوں سے"۔ اغیار نے ہم پر یہ تہمت اس شد و مد سے لگائی کہ ہم ہاتھ جوڑتے ہی رہ گئے اور معذرت کے انداز سے اس الزام کو اپنے سر سے اتارنے میں حد سے تجاوز کر گئے۔ یہ انداز اب بالکل بدل جانا چاہئے۔ اور الحمدللہ ہمارے بہت سے اصحاب علم و فضل کی مدلل تحریروں کی بدولت بڑی حد تک یہ انداز بدل بھی گیا ہے۔ لیکن ایسے نام نہاد دانش وروں کی ابھی اچھی خاصی تعداد خود ہمارے یہاں موجود ہے جن کے ذہنوں پر سابقہ دور میں بنی ہوئی فضا کی چھاپ ابھی موجود ہے اور وہ اسی فضا میں سانس لے رہے ہیں اور یہی راگ الاپتے رہتے ہیں کہ اسلام میں صرف مدافعانہ جنگ ہے' اسلام میں کوئی جارحانہ جنگ نہیں ہے' حضورؐ نے صرف مدافعت کے لئے جنگ لڑی ہے' حضورؐ نے کبھی بھی پیش قدمی کر کے جنگ کا آغاز نہیں کیا' وغیرہ وغیرہ۔ یہ باتیں جس انداز سے ذہنوں میں بیٹھی ہوئی ہیں اصل میں وہ انداز بالکل غلط ہے' اس کو بالکل ختم ہونا چاہئے۔

تصادم کا آغاز انقلاب کے علمبردار کرتے ہیں

یہ حقیقت ہے کہ کوئی انقلابی تنظیم یا انقلابی جماعت جب کسی معاشرے میں اپنی دعوت کا آغاز کرتی ہے تو محض یہ دعوت کا آغاز ہی اس کی طرف سے تصادم کا آغاز ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انقلاب اسی کا نام ہے کہ کوئی کھڑا ہو کر کہے کہ یہ نظام جو چل رہا ہے یہ سراسر غلط نظام ہے۔ جب رائج الوقت نظام کو غلط کہہ دیا جائے اور اس عزم کا اظہار کر دیا جائے کہ اس کو بدلنا ہو گا تو تصادم کا آغاز تو کر دیا گیا۔ اس لئے کہ جو مراعات

یافتہ طبقات ہیں' جن کے Vested Interests اس باطل نظام سے وابستہ ہیں' ان کی عافیت تو اسی میں ہے کہ رائج الوقت نظام قائم رہے' Status Quo برقرار رہے' دبے ہوئے طبقات جن بندھنوں میں بندھے ہوئے ہیں انہی میں بندھے رہیں' جس طرح کی جکڑ بندیوں میں جکڑے ہوئے ہیں انہی میں جکڑے رہیں۔ ظالم اور استحصالی طبقات ہرگز نہیں چاہیں گے کہ وہ جن ناجائز حقوق کے مالک ہیں وہ ان سے چھن جائیں۔ وہ تو یہی چاہتے ہیں کہ نظام جیسا بھی ہے ویسا ہی رہے۔ جبکہ آپ کہتے ہیں کہ یہ نظام غلط ہے' اس کو ہم تبدیل کر کے رہیں گے یا اس جدّوجہد میں ختم ہو جائیں گے۔ پس تصادم کا آغاز تو آپ نے کیا۔ جو بھی ہو' چاہے وہ فردِ واحد ہو' یا کوئی گروہ یا کوئی جماعت ہو۔ اگر آپ اس نظام کو غلط کہہ کر اس کی تردید کر رہے ہیں' اسے ظالمانہ اور استحصالی کہہ رہے ہیں' اس کو ختم کرنے کا داعیہ لے کر سامنے آئے ہیں تو گویا آپ نے رائج الوقت نظام کو چیلنج کیا ہے۔

یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ تصادم کا آغاز ہمیشہ انقلابی دعوت دینے والوں کی طرف سے ہوتا ہے' چاہے وہ کوئی فرد ہو' گروہ ہو' یا جماعت ہو۔ اگرچہ وہ جماعت ہاتھ نہیں اٹھاتی' وہ کسی کو گالیاں نہیں دیتی' کسی کو کسی نوع کی جسمانی تکلیف نہیں پہنچاتی' لیکن وہ یہ دعوت لے کر اٹھتی ہے کہ پورا نظام غلط اور فاسد ہے اور اس داعیہ کا اظہار کرتی ہے کہ یا تو اس نظام کو بیخ و بُن سے اکھاڑ کر اپنے نظریہ کی بنیاد پر بالکل نیا نظام قائم کر کے رہیں گے یا اسی کوشش اور جدوجہد میں ہم اپنی جانیں دے دیں گے۔ جناب محمدؐ رسول اللہ ﷺ نے یہ کہہ کر تصادم کا آغاز فرمایا کہ "تمہارا مذہب غلط' تمہارا معاشرہ غلط' تمہارے اخلاق غلط' تمہارا پورا نظام غلط"۔ یہ صدیوں سے قائم و رائج نظام سے بغاوت ہے۔ یہ ان لوگوں کے خلاف چیلنج ہے جو اس نظام میں قیادت و سیادت کے مناصب پر فائز ہیں اور جو اس نظام سے ناجائز اور استحصالی طور طریقوں سے انتفاع کر رہے ہیں۔ پس تصادم کا آغاز داعیٔ انقلاب کرتا ہے اور وہ جماعت کرتی ہے جو اس دعوت کو قبول کر کے داعیٔ انقلاب کے اعوان و انصار پر مشتمل ہوتی ہے۔

انقلابی جدوجہد کے ابتدائی مراحل اور اس کے بعد تصادم کے مرحلے کو علامہ اقبال کا یہ شعر بڑے اچھے انداز میں واضح کرتا ہے۔ ؎

با نشّۂ درویشی در ساز و دمادم زن
چوں پختہ شوی خود را بر سلطنتِ جم زن!

اب جبکہ افراد پختہ ہو گئے تو اب اپنے آپ کو سلطنتِ جم پر دے ماریں۔ یہاں "سلطنتِ جم" سے بطور استعارہ وہاں کا رائج نظام مراد ہے۔ انقلاب اسی طرح آئے گا۔ اگر وہ طاقت محفوظ پڑی رہے' وہ Potential جو فراہم ہوا ہے وہ غیر متحرک اور غیر فعال رہے تو ظاہر بات ہے کہ انقلاب نہیں آسکے گا۔ لہٰذا اس شعر سے بھی اس بات کا اشارہ ملتا ہے کہ تصادم کا آغاز درحقیقت انقلابی جماعت کی طرف سے ہوتا ہے اور تصادم انقلاب کا ناگزیر خاصہ ہوتا ہے۔

صبر محض اور عدم تشدد کا مرحلہ

درحقیقت تصادم کا آغاز تو اسی لمحہ ہو جاتا ہے جس لمحہ انقلابی دعوت شروع ہوتی ہے' لیکن ابھی اس انقلابی جماعت کو کچھ مہلت درکار ہوتی ہے تاکہ وہ اپنی دعوت کی توسیع کر سکے' اپنے دعوتی Base کو وسیع کر سکے' لوگ اس کی طرف متوجہ ہوں اور اسے قبول کریں' اس جماعت میں شامل ہوں۔ پھر ان کی تربیت ہو' ان کو منظم کیا جائے۔ اس کام کے لئے بڑا وقت اور مہلت درکار ہے۔ جس کو انگریزی میں کہتے ہیں "to buy time" یعنی اپنے دشمنوں سے وقت کو خریدنا ہے' ان سے کچھ مہلت لینی ہے۔ لہٰذا پہلا مرحلہ ہوتا ہے صبر محض یعنی Passive Resistance کا۔ معاندین و مخالفین داعی کو پاگل' دیوانہ' مجنوں اور بیوقوف کہیں گے' مگر حکمت دعوت کا تقاضا ہے کہ ان سب کو برداشت کیا جائے اور جواباً زبان سے کوئی نازیبا جملہ نہ نکلے' ان مخالفین کے تمام استہزاء و تمسخر کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا جائے' مصابرت و استقامت کا مظاہرہ ہو' اپنے موقف پر ڈٹ کر دعوت و تبلیغ کا فرض کماحقہ ادا ہوتا رہے۔ جب مخالفین اس میں ناکام ہو جائیں گے اور دیکھیں گے کہ انہوں نے جس کو مشتِ غبار سمجھا تھا اور اسے چٹکیوں میں اڑانا چاہا تھا' وہ تو زبردست آندھی بنتی نظر آرہی ہے' عام لوگوں خاص طور پر نوجوانوں کو متاثر کر رہی ہے اور وہ داعی کے اعوان و انصار بن کر اٹھ رہے

ہیں' تو پھر مخالفین آگے بڑھیں گے۔

اس طرح دوسرا مرحلہ تشدد کا شروع ہوتا ہے۔ معاندین دعوت قبول کرنے والوں پر ستم اور مصائب کے پہاڑ توڑتے ہیں۔ دہکتی آگ پر ننگی پیٹھ لٹاتے ہیں۔ تپتی کی سنگلاخ اور توے کی طرح تپتی ہوئی زمین پر کھینچتے ہیں۔ برچھی سے ایک مظلوم خاتون کو نہایت بہیمانہ طور پر ہلاک کرتے ہیں۔ کسی کے ہاتھ پاؤں سرکش اونٹوں سے باندھ کر اونٹوں کو بھگاتے ہیں کہ جسم کے پرخچے اڑ جاتے ہیں۔ کسی کو چٹائی میں لپیٹ کر ناک میں دھواں چھوڑتے ہیں۔ کسی کو مادر زاد ننگا گھر سے نکال دیتے ہیں۔ کسی کو اتا پیٹتے ہیں کہ بس مرنے کی کسر رہ جاتی ہے۔ داعی الی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر دست درازی کرتے ہیں۔ آپؐ کے راستے میں کانٹے بچھاتے ہیں۔ آپؐ کے گھر میں غلاظت پھینکنا معمول بنا لیتے ہیں۔ آپؐ کی گردن مبارک میں چادر ڈال کر گلا گھونٹنے کی کوشش کرتے ہیں کہ چشم ہائے مبارک ابل پڑتی ہیں۔ آپؐ کی پشت مبارک پر عین سجدہ کی حالت میں اونٹ کی نجاست بھری اوجھری رکھ دیتے ہیں۔ آپؐ پر پتھروں کی اس قدر بارش ہوتی ہے کہ جسم اطہر لہولہان ہو جاتا ہے۔ آپ کا معاشی مقاطعہ ہوتا ہے اور آپؐ کو تین سال تک آپؐ کے قبیلے کے تمام لوگوں کے ساتھ' چاہے انہوں نے دعوت قبول کی ہو یا نہ کی ہو' ایک وادی میں محصور کر دیا جاتا ہے ـــــ لیکن حکم ہے کہ معاندین و مخالفین کے ان تمام متشددانہ طرز عمل کو برداشت کرو' جواب میں اپنی مدافعت میں بھی ہاتھ مت اٹھاؤ۔ البتہ اپنے موقف پر ڈٹے رہو' اس سے پیچھے نہ ہٹو' کوئی بھی معافی اور توبہ نامہ دے کر ان مصائب سے بچنے کا خیال بھی دل میں نہ لائے۔ لیکن ہاتھ اٹھانے کی قطعی اجازت نہیں ہے۔ جواب میں تشدد کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ یہ ہے صبر محض۔

صبر محض کا یہ مرحلہ جناب محمدؐ رسول اللہ ﷺ کی سرتِ مطہرہ میں مسلسل بارہ برس تک جاری رہا۔ اور اس بارہ سال کے عرصہ میں اس بہیمانہ تشدد کی وجہ سے نہ تو کسی نے کمزوری دکھائی' نہ اپنے موقف سے ہٹا اور نہ ہی کسی نے جواباً ہاتھ اٹھایا۔ حالات میں عام طور پر لوگ desperate ہو کر مشتعل ہو جاتے ہیں۔ لیکن یہ کمال ہی نہیں معجزہ ہے جناب محمد ﷺ کی تربیت و تزکیہ کا' کہ ایک شخص نے بھی آپؐ کے حکم اور

ہدایت کی خلاف ورزی نہیں کی۔ نہ کوئی اپنے موقف سے ہٹا اور نہ کسی نے جواب میں ہاتھ اٹھایا۔ یہ اہم ترین وقت تھا۔ یہی مہلت تھی جسے محمدؐ رسول اللہ ﷺ نے بھرپور طریقے پر استعمال فرمایا۔ حق تو یہ ہے کہ ہمیں سیرتِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام ہی سے پورا فلسفۂ انقلاب سیکھنا ہے اور وہیں سے ہمیں اصول اخذ کرنے ہیں۔

"صبرِ محض" کی حکمت

اس صبرِ محض (Passive Resistance) کے مرحلہ کی حکمت یہ ہے کہ ابتداء میں چند باہمت اور سلیم الفطرت لوگ اس انقلابی نظریہ کے قائل اور حامی ہوتے ہیں۔ اگر وہ لوگ Violent ہو جائیں' یعنی تشدد کا جواب تشدد سے دینے لگیں تو اس غلط نظام کے علمبرداروں کو پورا اخلاقی جواز مل جائے گا کہ انقلاب کے حامیوں کو کچل کر رکھ دیں۔ جب تک انہوں نے ہاتھ نہیں اٹھایا تو ان مخالفین و معاندین کے چودھریوں اور سرداروں کے پاس کوئی اخلاقی جواز نہیں ہے۔ چنانچہ اس حال میں اگر وہ تشدد کر رہے ہیں تو بلاجواز کر رہے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ رفتہ رفتہ عامّۃ الناس کی ہمدردیاں اس انقلابی جماعت کے ساتھ ہونی شروع ہو جاتی ہیں۔ وہ سوچنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ ان لوگوں کو آخر کیوں مارا اور ستایا جا رہا ہے' جبکہ یہ ہمارے معاشرے کے شریف' بے ضرر اور بہتر افراد میں سے ہیں۔ اور یہ لوگ خاموشی سے کیوں ماریں کھا رہے ہیں! اب ذرا چشم تصور سے دیکھئے کہ حضرت بلالؓ کو مکّہ کی سنگلاخ اور تپتی زمین پر گردن میں رسی باندھ کر اس طرح گھسیٹا جا رہا ہے جیسے کسی مُردہ جانور کی لاش کو گھسیٹا جاتا ہے۔ آخر دیکھنے والے بھی انسان تھے۔ ان کے اندر بھی احساسات تھے! اگرچہ ان میں جرأت اور ہمت نہیں کہ اس بہیمانہ ظلم پر صدائے احتجاج بلند کریں۔ ایسے لوگوں کو اصطلاح میں خاموش اکثریت (Silent Majority) کہا جاتا ہے۔ یہ خاموش اکثریت اندھی اور بہری نہیں ہوتی۔ دیکھتی بھی ہے اور سنتی بھی ہے۔ خاموش تو ہے' بولتی نہیں ہے' لیکن وہ اندر ہی اندر پیچ و تاب کھاتی رہتی ہے کہ یہ کیسا ظلم ہو رہا ہے؟ وہ سوچنے پر مجبور ہو جاتی ہے کہ بلالؓ جیسے محنتی اور فرض شناس غلام کے ساتھ یہ وحشیانہ سلوک کیوں ہو رہا ہے! خبابؓ جیسے شریف

النفس شخص کو دہکتے ہوئے کوئلوں پر کیوں لٹایا جا رہا ہے۔ خبابؓ بن ارت پیشے کے اعتبار سے لوہار تھے اور بڑے ہی نیک نوجوان تھے۔ حضورؐ کے دامن سے وابستہ ہو کر کردار مزید بلند ہو گیا۔ مکّہ کے سردار ان ایمان لانے کی پاداش میں ان کو دہکتے ہوئے کوئلوں پر لٹا دیتے تھے۔ مکّہ کے اندر یہ ظلم اہل مکّہ دیکھ تو رہے تھے۔ مگر ظلم کرنے والے ابوجہل' ولید بن مغیرہ' اُمیّہ بن خلف' عتبہ بن ابی معیط اور عتبہ بن ربیعہ وغیرہ بڑے بڑے چوہدری اور سردار تھے۔ ان کے خلاف آواز اٹھانا کسی کے بس کی بات نہ تھی۔ تو عوام کا ان کے خلاف کھڑے ہونے کا تو کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا' لیکن اندر ہی اندر ہمدردی کے احساسات پیدا ہو رہے تھے' بقول شاعر کیفیت یہ ہو رہی تھی کہ ع "جو دلوں کو فتح کر لے وہی فاتح زمانہ"۔ چنانچہ دل اندر ہی اندر فتح ہو رہے تھے۔ لوگ اچھی طرح جانتے تھے کہ ان مظلوموں نے کوئی جرم نہیں کیا' کسی کے ساتھ کوئی گستاخی نہیں کی' بس ایک بات کہتے ہیں کہ اللہ ایک ہے' اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمدؐ اللہ کے رسول ﷺ ہیں۔ بس یہی ان کا قصور ہے۔ کسی پر انہوں نے آج تک ہاتھ نہیں اٹھایا' کسی کو انہوں نے کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچایا' پھر ان کے ساتھ یہ ظلم اور تشدد کیوں ہو رہا ہے۔

اصل میں صبر محض کے مرحلے کی حکمت اور اس کا فلسفہ یہی ہے۔ کسی انقلابی جماعت کو اس "صبرِ محض" (Passive Resistance) کے دور میں تین ابتدائی کاموں کو کرنے کی مہلت ملتی ہے۔ یعنی دعوت زیادہ سے زیادہ پھیلانا' دعوت قبول کرنے والوں کو منظم کرنا اور پھر اس مرحلے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ان کی تربیت کرنا۔ اس لئے کہ اگلے مراحل کی کامیابی کا انحصار انہی لوگوں پر ہے۔ گویا اگلے تمام مراحل کی کامیابی کا دارومدار ان تمہیدی و ابتدائی مراحل کی پختگی پر ہے۔ اگر ان مراحل کے تقاضوں کو کماحقہ ادا کیا گیا ہے اور انقلابی کارکنوں کی سیرت و کردار میں پختگی اور مضبوطی آ گئی ہے تب تو آگے چل کر کامیابی ہو گی' ورنہ وہی بات ہو گی کہ ریت کا گولہ بنا کر شیشے پر ماریں گے تو شیشہ کھڑا رہے گا اور وہ ریت بکھر جائے گی ـــــ پھر ایک اہم ترین بات یہ ہے کہ ماریں کھا کر لیکن ہاتھ نہ اٹھا کر ایک طرف ان کارکنوں میں قوت برداشت اور قوت ارادی پروان چڑھتی ہے' اپنے نظریہ سے ان کی وفاداری مضبوط ہوتی ہے اور اس پر انہیں

استقامت حاصل ہوتی ہے' جیسے خام سونا کٹھالی میں تپ کر کندن بنتا ہے اسی طرح ان انقلابی کارکنوں میں مظالم و مصائب کی بھٹیوں سے گزر کر ایک آہنی عزم اور پہاڑوں سے ٹکرانے کا حوصلہ پیدا ہو جاتا ہے اور ان میں ایثار و قربانی کا جذبہ اپنے نقطۂ عروج کو پہنچ جاتا ہے۔ اور دوسری طرف یہ جور و تعدّی' یہ تشدد اور ظلم و ستم جھیل کر یہ لوگ معاشرہ کی خاموش اکثریت کے دل جیتتے چلے جاتے ہیں۔

داعی کی کردار کُشی اور نفسیاتی حربے

اس صبرِ محض کے بھی دو مراحل ہیں۔ پہلا مرحلہ وہ ہوتا ہے جس میں زبانی کلامی تشدد ہوتا ہے۔ یعنی کوفت پہنچاؤ' ذہنی اذیت پہنچاؤ' لیکن کوئی جسمانی تشدد اور جسمانی تکلیف نہ دو۔ اس مرحلہ پر اصل ہدف اور نشانہ خود داعی بنتا ہے' اس کے ساتھی ہدف نہیں بنتے۔ اسلئے کہ ابتداء میں لوگ محسوس کرتے ہیں کہ یہ شخص ہے جس کا دماغ خراب ہوا ہے اور یہ ہمارے نوجوانوں کے دماغ خراب کر رہا ہے۔ ان نوجوانوں کو تو انہوں نے reclaim کرنا ہے' انہیں واپس لینا ہے' لہٰذا اُنکے خلاف ابھی ہاتھ نہیں اٹھائے جائیں گے بلکہ داعی کی شخصیت کو مجروح کرنے (Character Assassination) کی کوشش ہوگی۔ کہا جائے گا پاگل ہے' fanatic ہے' ساحر ہے' شاعر ہے اور دیوانہ ہے۔ سیرتِ مطہرہ میں یہ ساری ہی باتیں ملتی ہیں' جن کا تذکرہ ابتدائی مکی سورتوں میں آتا ہے۔ مکی دور کے قریباً تیرہ برس کے ابتدائی تین سال میں صرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر تشدد ہوا ہے اور تشدد جسمانی نہیں بلکہ صرف زبانی کلامی تشدد کہ ان کو کوفت پہنچاؤ' انہیں ذہنی اذیت پہنچاؤ۔ جیسے کہ قرآن مجید میں سورۃ الحجر میں ان معاندین و مخالفین کا یہ قول نقل کیا گیا ہے : "یٰاَیُّهَا الَّذِیْ نُزِّلَ عَلَیْهِ الذِّكْرُ اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ" اگر عربی زبان سے ذرا سی واقفیت ہو تو اندازہ ہوگا کہ کتنا زہر میں بجھا ہوا یہ جملہ ہے : "اے فلانے جو یہ سمجھتا ہے کہ اس پر کوئی ذکر نازل ہو رہا ہے' ہم تو تم کو پاگل سمجھتے ہیں۔" اب یہ بات بھی محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنی۔ غور کیجئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت پر اس کا کس قدر اثر ہوا ہوگا۔ اس کو کہتے ہیں اعصابی جنگ (War of Nerves) یعنی

کسی طرح سے ان کی قوت ارادی کو ختم کردو' ان کے اندر جو آہنی عزیمت ہے کسی طرح اس کو پگھلا کر رکھ دو۔ اسی سورۃ الحجر کے آخر میں یہ الفاظ آئے ہیں : وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ ○ "(اے محمد ﷺ) ہمیں خوب معلوم ہے کہ جو کچھ یہ کہہ رہے ہیں اس سے آپؐ کا سینہ بھینچنے لگتا ہے (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شدید ذہنی اذیت و کوفت ہوتی ہے)"۔

داعی سوچتا ہے کہ یہی وہ لوگ ہیں جو کل تک میرے قدموں تلے آنکھیں بچھاتے تھے' جو مجھے دیکھتے ہی کہا کرتے تھے : جَاءَ الصَّادق' جاءَ الاَمِينُ ـــــ ہر جگہ خیر مقدم ہوتا تھا' ہر ایک مجھ سے محبت کرتا تھا' ہر شخص میرا احترام کرتا تھا' لیکن یہی لوگ ہیں جو آج میرا استہزاء و تمسخر کررہے ہیں' کوئی مجنون و دیوانہ کہہ رہا ہے' کوئی شاعر و ساحر کہہ رہا ہے۔ سورۃ الدخان میں فرمایا : وَقَالُوْا مُعَلَّمٌ مَّجْنُوْنٌ ○ "اور انہوں نے کہا کہ یہ تو (معاذ اللہ) سکھایا پڑھایا باؤلا ہے"۔ یعنی آپؐ کو کوئی اور سکھاتا پڑھاتا ہے اور یہ آکر ہم پر دھونس جماتے ہیں کہ یہ کلام مجھ پر اللہ کی طرف سے نازل ہو رہا ہے۔ ذرا اندازہ لگایئے کہ حضور ﷺ کے قلب مبارک پر کیا گزرتی ہوگی جب یہ باتیں کہی جاتی ہوں گی۔ مزید برآں آپؐ کے متعلق یہ بھی کہا جاتا تھا کہ ان پر کسی آسیب کا سایہ ہوگیا ہے۔ روایت میں آتا ہے کہ ایک روز حضورؐ کی خدمت میں عتبہ بن ربیعہ آیا جو قریش کے بڑے سرداروں اور چودھریوں میں سے تھا۔ نبی اکرم ﷺ کے معاندین و مخالفین میں سے یہ شخص بڑا شریف النفس تھا۔ وہ بڑے ہی مخلصانہ و مشفقانہ اور بڑے ہی مربیانہ و ہمدردانہ انداز میں حضورؐ سے کہنے لگا کہ "بھتیجے! اگر واقعی تم پر کسی بد روح کا سایہ ہوگیا ہے تو مجھے بتادو' میرے بہت سے عاملوں اور ماہر فن کاہنوں سے تعلقات ہیں' میں کسی کو بلا کر تمہارا علاج کرادوں گا"۔ غور کا مقام ہے کہ یہ سن کر حضورؐ کے قلب مبارک پر کیا گزری ہوگی۔ تشدد کا پہلا نشانہ بحیثیت داعی اول جناب محمد ﷺ کی ذاتِ اقدس تھی۔ استہزاء و تمسخر بھی بلاشبہ تشدد ہوتا ہے' بلکہ ذہنی اور نفسیاتی کوفت سے بڑا تشدد کوئی اور نہیں۔ جسمانی اذیت سے کہیں زیادہ تکلیف انسان کو اس وقت ہوتی ہے جب اسے ذہنی کوفت پہنچتی ہے۔ چنانچہ ابتدائی تین سال تک اعصاب شکنی کی پوری کوشش ہوتی رہی

تاکہ آپؐ کے اعصاب ٹوٹ کر رہ جائیں اور آپؐ میں وہ ہمت باقی نہ رہے کہ کھڑے رہ کر دعوت پیش کرتے رہیں۔ مخالفین کی طرف سے اس کی ایک اور انداز سے بھی کوشش ہوئی تھی۔ بعض عامل لوگوں نے بہت سی ریاضتوں کے ذریعہ سے اپنی آنکھوں کے اندر ایک خاص کشش اور چمک پیدا کرلی ہوتی ہے اور قوتِ ارادی کو اپنی آنکھوں میں اس طور سے مرتکز کرلیا ہوتا ہے کہ وہ کسی کو گھور کر دیکھیں تو وہ دہل کر رہ جائے اور اس کی قوت ارادی پاش پاش ہو جائے۔ یہ نفسیاتی مشقیں دنیا میں ہر دور میں ہوتی رہی ہیں اور آج کے دور میں تو اس نے ایک باقاعدہ فن کی صورت اختیار کرلی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ پر ایسی کوششیں بھی کی گئی۔ سورۃ القلم میں فرمایا گیا ہے :

وَاِنْ یَّکَادُ الَّذِیْنَ کَفَرُوا لَیُزْلِقُوْنَکَ بِاَبْصَارِھِمْ لَمَّا سَمِعُوا الذِّکْرَ وَیَقُوْلُوْنَ اِنَّہٗ لَمَجْنُوْنٌ○ "یہ کفار جب "الذکر" یعنی قرآن سنتے ہیں تو یہ آپؐ کو ایسی نگاہوں سے گھور کر دیکھتے ہیں گویا آپؐ کے قدم اکھاڑ دیں گے (آپؐ کی آہنی قوت ارادی کو پاش پاش کر دیں گے) اور زبان سے کہتے ہیں کہ (معاذ اللہ) یہ ضرور مجنون و دیوانہ ہے۔" استہزاء و تمسخر کے یہ الفاظ آپؐ کے قلب مبارک پر تیر کی طرح جا کر لگ رہے ہیں۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کے عاملین کی باقاعدہ خدمات حاصل کی گئیں کہ وہ اپنی نگاہوں سے جناب محمد ﷺ کی قوتِ ارادی کو پاش پاش کر کے رکھ دیں۔ پس یہ ہے تشدد کا پہلا دور یعنی داعی اول کو ذہنی کوفت پہنچانے کی ہر امکانی سعی و کوشش۔ چنانچہ پہلے تین سال میں کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ کسی اور صاحب ایمان کے ساتھ یہ برتاؤ کیا گیا ہو۔ اس لئے کہ ظاہر بات ہے کہ ان کے نقطۂ نظر کے اعتبار سے "فساد کی اصل جڑ" تو داعی اول ہی تھا جو یہ دعوت لے کر کھڑا ہوا ہے۔ لہٰذا وہ کہتے تھے کہ کسی طریقہ سے اس کو اکھاڑ پھینکیں تو فساد ختم ہو جائے گا۔ ہمارے کچھ جوشیلے اور سرپھرے نوجوان ہیں اور ہمارے شرفاء میں سے بھی کچھ لوگ اس کی باتوں میں آگئے ہیں' لیکن اگر ہم نفسیاتی و ذہنی حملوں کے ذریعہ سے اسی داعی اول کو بددل (disheart) کر دیں اور اس کی قوت ارادی کو ختم کر دیں تو یہ سب سے کامیاب حربہ ہے۔ پھر کامیابی ہی کامیابی ہے۔

جسمانی تشدّد اور تعذیب

پس پہلے تین سال تو جناب محمدؐ رسول ﷺ اس بدترین ذہنی و اعصابی تشدد کا نشانہ بنے رہے۔ آغازِ وحی کے بعد چوتھے سال میں سردارانِ قریش دارالندوہ میں باقاعدہ مشاورت کے بعد اس نتیجے پر پہنچے کہ اب تک ہم نے جو تدبیریں کی ہیں وہ سب ناکام ہو چکی ہیں اور یہ دعوت جنگل کی آگ کی طرح پھیل رہی ہے۔ گویا ع "نظامِ کہنہ کے پاسبانو! یہ معرضِ انقلاب میں ہے" ۔ اور اب تو یہ آگ ہمارے بارود خانوں تک پہنچ گئی ہے اور ہمارے غلاموں کے طبقہ کے لوگ محمد (ﷺ) کی دعوت کے حلقہ بگوش ہو گئے ہیں۔ ان کو یہ فکر دامن گیر ہو گئی کہ اب کیا ہو گا؟ کیونکہ غلاموں کا طبقہ اس معاشرے کے لئے بڑی افرادی قوت (Human Potential) کی حیثیت رکھتا تھا۔ اس نظام میں غلام اپنی قسمت پر قانع تھے اور اس کے ساتھ خود کو Reconcile کر چکے تھے کہ ٹھیک ہے' ہمارے نصیب میں یہی کچھ ہے۔ لیکن اگر کہیں ان کے اندر ان کی عزّتِ نفس بیدار کر دی گئی' اور انہیں یہ احساس پیدا ہو گیا کہ ہم بھی انسان ہیں اور ہمارے بھی کچھ حقوق ہیں تو کیا ہو گا؟ ہمارا نظام تلپٹ ہو کر رہ جائے گا۔ یہ طاقت اگر کہیں ہمارے خلاف کھڑی ہو گئی تو اس کا سنبھالنا مشکل ہو جائے گا۔ اس کے علاوہ ان کی اس تشویش میں روز بروز اضافہ ہو رہا تھا کہ جناب محمدؐ رسول اللہ ﷺ کی دعوت ان کے نوجوانوں میں نفوذ کر رہی ہے جو ایک بڑے خطرہ کی علامت ہے۔ آپ اندازہ کیجئے کہ عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کون ہیں؟ خاندانِ بنو اُمیہ کا ایک صالح نوجوان۔ مصعب بن عمیر' سعد بن ابی وقاص' حذیفہ بن عتبہ اور عبداللہ بن مسعود کون ہیں؟ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ یہ اونچے گھرانوں کے نوجوان ہیں۔ یہ اور متعدد دوسرے نوجوان محمد (ﷺ) کے قدموں میں پہنچ گئے۔ لہٰذا کفارِ مکّہ سوچنے پر مجبور ہو گئے کہ اب تک ہماری جو حکمت عملی تھی وہ کامیاب اور مؤثر ثابت نہیں ہوئی۔ لہٰذا فیصلہ ہوا کہ اب ان پر جسمانی تشدد کرو تاکہ ان کے ہوش ٹھکانے آ جائیں۔ ہم میں سے جس کو بھی جس کسی پر کوئی اختیار اور کوئی اقتدار حاصل ہے وہ اسے ان پر استعمال کرے اور ان کو جور و تعدی اور ظلم و ستم کا نشانہ بنائے تاکہ وہ اپنے آبائی

دین کی طرف لوٹ سکیں۔ چنانچہ آغازِ وحی کے چوتھے سال اہل ایمان کے لئے جسمانی تشدد کا دور شروع ہوا۔ پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ ابتدائی تین سال تک تو ذہنی تشدد اور Torture کا ہدف خاص طور پر حضور ﷺ کی ذاتِ اقدس رہی۔ لیکن اب قریباً تمام اہل ایمان شدید قسم کی تعذیب' تعدی اور بہیمانہ ظلم و ستم کا ہدف بنے۔ مثلاً حضرت عثمانؓ ہیں' وہ غلام نہیں ہیں' کوئی آقا تو ان کو نہیں مار سکتا۔ لیکن وہاں کے معاشرے کے اصول و رواج کے مطابق آنجنابؓ کا چچا موجود ہے جو بمنزلہ باپ ہے اور اسے اپنے بھتیجے پر اختیار حاصل ہے۔ اس نے حضرت عثمانؓ کو مارا بھی اور بالآخر ایک چٹائی میں لپیٹ کر ناک میں دھونی دے دی۔ اب دم گھٹ رہا ہے اور مرنے کے قریب ہیں۔ آخر کوئی وجہ تھی کہ جب سن پانچ نبوی میں حضورؐ نے چند صحابہ رضی اللہ عنہم کو ہجرتِ حبشہ کی اجازت دی تو حضرت عثمانؓ اور آپؓ کی اہلیہ محترمہ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا' جو رسول اللہ ﷺ کی لختِ جگر ہیں' یہ دونوں ان میں شامل تھے۔ جعفرؓ بن ابو طالب بھی ان مہاجرین میں شامل تھے جو بنو ہاشم کے سردار کے بیٹے اور حضرت علیؓ کے بھائی ہیں۔ یہ لوگ غلام تو نہیں تھے۔ لیکن وہاں بزرگوں کو خوردوں پر ایک اختیار حاصل تھا' لہٰذا یہ نوجوان اہل ایمان اپنے گھر والے مشرکین کے تشدد اور مظالم کا نشانہ بن رہے تھے۔

لیکن غلاموں کے ساتھ اس سے بھی بہت آگے بڑھ کر جو رو ستم کا معاملہ ہوا ہے۔ ظاہر بات ہے کہ ظلم و تشدد کی چکی میں سب سے زیادہ پسنے والے وہی لوگ تھے۔ ان کے تو کوئی حقوق تھے ہی نہیں' کیونکہ وہ اپنے آقاؤں کے مملوک تھے۔ ان کے آقا اگر انہیں ذبح کر دیں تو ان سے کوئی باز پرس نہیں کر سکتا تھا۔ جیسے کسی کی بکری ہو تو وہ جب چاہے اسے ذبح کر دے' کوئی اس سے پوچھ نہیں سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ غلاموں کے ساتھ وہاں جو کچھ ہوا اس کو سن کر سخت سے سخت دل میں بھی جھرجھری آجاتی ہے۔ حضرت بلالؓ کے ساتھ اُمیّہ بن خلف نے جو کچھ کیا وہ آپ کے علم میں ہے۔ لیکن کوئی نہیں تھا جو اس سے پوچھ سکے کہ تم یہ کیا کر رہے ہو؟ ایک گوشت پوست کے زندہ انسان کے ساتھ وہ بہیمانہ سلوک کیا جا رہا تھا جو اگر کسی مُردہ جانور کے ساتھ بھی کیا جائے تو طبیعت میں ناگواری کا احساس پیدا ہو جائے' لیکن کوئی پوچھنے والا نہیں تھا۔

مکّہ میں ان کے علاوہ ایک اور طبقہ تھا جو حلیفوں کا طبقہ کہلاتا تھا' جو نہ قرشی تھے' نہ غلام تھے' بین بین کی ایک حیثیت کے حامل تھے۔ دراصل مکّہ صرف ایک قبیلہ کا شہر تھا' اس میں صرف قریش آباد تھے' اور کوئی دوسرا قبیلہ آباد نہیں تھا ـــــ اس تفاوت کو پیش نظر رکھئے کہ تمدنی اعتبار سے مدینہ منورہ زیادہ ارتقائی مرحلہ پر تھا' اس میں پانچ قبیلے آباد تھے' عربوں کے دو قبائل اوس و خزرج اور یہودیوں کے تین قبائل بنو نضیر' بنو قینقاع اور بنو قریظہ ـــــ جبکہ مکّہ تمدنی اعتبار سے ابھی بالکل ابتدائی مرحلہ میں تھا اور صرف ایک قبیلے کا شہر تھا۔ اب اس میں یا تو قریش آباد تھے یا اُن کے غلام جو اُن کے نزدیک بھیڑ بکریوں کی حیثیت رکھتے تھے۔ ایک تیسری کیٹیگری وہ تھی کہ کوئی شخص باہر کا آکر اگر خود کو قریش کی کسی بڑی شخصیت کی حمایت میں دے دے' اس کا حلیف بن جائے تو گویا وہ اس بڑے شخص کے زیر حفاظت مکّہ میں رہ سکتا ہے۔ اس طرح اس قرشی کو اس پر پورا اختیار حاصل ہو جائے گا۔ اس کی حیثیت اگرچہ غلام کی نہیں ہے لیکن وہ پوری طرح آزاد بھی نہیں۔ وہ گویا آزادوں اور غلاموں کے بین بین ایک تیسری مخلوق ہو گئی۔

حضرت یاسر رضی اللہ عنہ کا معاملہ یہی تھا۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ یمن کے رہنے والے ایک باعزت انسان تھے۔ انہوں نے ایک خواب دیکھا تھا جس میں انؓ کو حضور ﷺ کی بعثت کی بشارت ہوئی تھی۔ اسی کے پیش نظر وہ مکّہ میں آئے اور ایک شریف النفس قرشی کے حلیف بن کر اور اس کی پناہ میں آکر مکّہ میں سکونت پذیر ہو گئے۔ اسی شخص کی ایک کنیز حضرت سُمیّہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) سے آقا کی اجازت سے ان کا نکاح ہو گیا اور اس طرح یہ ایک خاندان بن گیا۔ وہ قرشی لاوَلد مر گیا اور جو شخص اس کا وارث اور جانشین بنا وہ ابو جہل تھا۔ چنانچہ اب وہی حیثیت آلِ یاسر پر ابو جہل کو حاصل ہو گئی۔ حضرت یاسرؓ غلام تو نہیں ہیں لیکن ابو جہل کے حلیف اور اس کی پناہ میں ہیں۔ اس لئے کوئی اور ابو جہل سے نہیں پوچھ سکتا کہ تم اس خاندان کے ساتھ کیا کر رہے ہو؟ یہی وجہ ہے کہ اس دور میں مسلسل اور بدترین تشدد کا نشانہ بننے والے یہ دو میاں بیوی اور ایک ان کے بیٹے حضرت عمارؓ ہیں۔ یہ تینوں حضور ﷺ پر ایمان لے آئے تھے۔ ان پر ابو جہل نے شدید ترین مظالم کئے۔ حضرت سُمیّہ رضی اللہ عنہا کو شوہر اور بیٹے کی نگاہوں کے سامنے

انتہائی بہیمانہ طور پر شہید کیا۔ یہ ایک مؤمنہ کا پہلا خون تھا جس سے مکّہ کی سرزمین لالہ زار ہوئی۔ پھر حضرت یاسرؓ کے ہاتھ پاؤں چار سرکش اونٹوں کے ساتھ باندھ کر انہیں چار سمتوں میں ہانک دیا گیا جس سے انؓ کے جسم کے پرخچے اڑ گئے۔

"کُفُّوا اَیْدِیَکُمْ" کا حکم

مکی دور کے بارہ برس تک اہل ایمان کو یہ حکم تھا کہ کسی تشدد' ظلم' اور زیادتی کے جواب میں ہاتھ نہ اٹھاؤ۔ سورۂ نساء کی مندرجہ ذیل آیت تو مدینہ میں ہجرت کے بعد نازل ہوئی ہے اور وہ بھی مدنی دور کے پانچویں یا چھٹے سال' جس کے الفاظ ہیں : "اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ قِیْلَ لَھُمْ کُفُّوْا اَیْدِیَکُمْ" (النساء : ۷۷) "کیا تم نے دیکھا نہیں ان لوگوں کی طرف جن سے کہا گیا تھا کہ اپنے ہاتھ بندھے رکھو" یہ حکم مکی دور کی کسی سورت میں نہیں ملے گا ـــــ یہ ایک بہت اہم مثال ہے اس بات کی کہ عمل کے اعتبار سے بسا اوقات سُنّتِ رسول علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام قرآن مجید پر مقدم ہوتی ہے۔ ذرا غور کیجئے کہ مدنی سورت کی ایک آیت میں ذکر ہو رہا ہے اس اسلوب سے کہ قِیْلَ لَھُمْ کُفُّوْا اَیْدِیَکُمْ "ان سے کہا گیا تھا کہ اپنے ہاتھ بندھے رکھو" تو کہنے والا کون تھا؟ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ اس نوع کی کوئی آیت قرآن مجید میں موجود نہیں ہے۔ معلوم ہوا کہ وہ حکم تھا جناب محمدؐ رسول اللہ ﷺ کا۔ تاہم اس میں دونوں امکانات ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ یہ حضورؐ کا اپنا ذاتی اجتہادی فیصلہ ہو۔ اس کی اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے نفی نہیں ہوئی تو توثیق ہو گئی۔ جیسے کہ حدیث کی اقسام میں ایک "تقریری حدیث" ہے کہ حضورؐ کے سامنے ایک کام ہوا اور آپؐ نے اس سے روکا نہیں' تو اسے بھی سُنّت ہونے کی سند حاصل ہو گئی۔ اس لئے کہ اگر یہ کام غلط ہوتا تو حضورؐ اس سے منع فرما دیتے۔ تو یہ گویا اللہ کی طرف سے "تقریر" ہو گئی۔ دوسرے یہ بھی ممکن ہے کہ وحی خفی یا وحی غیر متلو کے ذریعے سے حضورؐ کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہو اور اسے آپؐ نے صحابہ کرامؓ تک پہنچا دیا ہو۔ اور بعد میں سورۂ نساء میں اس وحی خفی کا اس وحی جلی اور وحی متلو میں ذکر آ گیا کہ ان سے کہا گیا تھا : "کُفُّوا اَیْدِیَکُمْ" کہ اپنے ہاتھ بندھے رکھو' روکے رکھو ـــــ No Retaliation۔

کوئی جوابی کارروائی نہیں ہوگی۔ یہاں تک کہ اپنی مدافعت میں بھی ہاتھ نہیں اٹھا سکتے۔

آگے فرمایا: "وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ" اُس وقت حکم یہ تھا کہ نماز اور زکوٰۃ کی پابندی کرتے رہو۔ یعنی تربیت ہی کا مرحلہ تھا ؎

با نشۂ درویشی در ساز و دمادم زَن
چوں پختہ شوی خود را بر سلطنتِ جم زَن

ابھی "بر سلطنتِ جم زن" کا حکم نہیں آیا تھا۔ بلکہ تربیت اور تیاری کا مرحلہ تھا۔ اللہ سے زیادہ سے زیادہ لو لگاؤ۔ اللہ کی محبت دلوں میں مزید جماؤ۔ اپنے عزم و ارادہ کو اور زیادہ تقویت دو۔ اللہ کی راہ میں مصائب و تکالیف جھیلنے کا خود کو زیادہ سے زیادہ عادی اور خوگر بناؤ۔ بقول اقبال ؎

نالہ ہے بلبلِ شوریدہ ترا خام ابھی
اپنے سینے میں اسے اور ذرا تھام ابھی

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دلوں میں جوش اور ولولہ پیدا ہو رہا تھا کہ ہمیں باطل کے خلاف اٹھ کھڑے ہونا چاہئے' اس سے پنجہ آزمائی کرنا چاہئے۔ چنانچہ سورۂ نساء کی اس آیت کی تفسیر میں امام رازی رحمتہ اللہ علیہ نے امام طبریؒ سے ایک روایت نقل کی ہے جس میں متعدد صحابہؓ مثلاً عبدالرحمٰن بن عوف' سعد بن ابی وقاص اور بعض دوسرے صحابہ کرام (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کا نام مذکور ہے' کہ یہ وہ حضرات تھے جو بار بار حضورؐ کی خدمت میں عرض کیا کرتے تھے کہ اب ہمیں قتال کی اجازت ملنی چاہئے' ہم کب تک برداشت کریں گے! تصور کیجئے کہ جب مکّہ میں حضرت سُمیّہ رضی اللہ عنہا پر ظلم کیا جا رہا تھا جو صنفِ نازک میں سے تھیں' پھر بوڑھی بھی' تو کم از کم چالیس مسلمان موجود تھے۔ کیا ان کا خون کھولتا نہیں ہوگا؟ کیا وہ جوش میں نہ آتے ہوں گے؟ اور حضورؐ سے عرض نہ کرتے ہوں گے کہ "یا رسول اللہ! آپؐ کی نام لیوا ایک بوڑھی خاتون کو اس طرح ستایا جا رہا ہے اور بے عزت کیا جا رہا ہے' تو کیا ہم بے غیرت ہیں' کیا ہم میں مردانگی کا جوہر نہیں ہے؟ ہمیں اس بربریت کے خلاف اٹھ کھڑے ہونا چاہئے۔ لیکن اس وقت حکم یہی تھا کہ نہیں' کُفُّوا اَیْدِیَکُمْ' اپنے ہاتھ بندھے رکھو' ابھی اپنے اس جوش و جذبہ کو تھام کر رکھو۔ جلد ہی

وقت آئے گا تب اپنا یہ جوش نکال لینا۔ کیونکہ انقلابی عمل کے اعتبار سے حکمتیں اسی میں ہیں کہ جوش کو تھامو اور روکو۔ صبر کرو اور جھیلو۔ مدافعت میں ہاتھ مت اٹھاؤ۔ چنانچہ حضور ﷺ جب حضرت یاسرؓ کے خاندان کے پاس سے گزرتے تو انہیں صبر کی تلقین فرماتے : ((اِصْبِرُوا یَا آلَ یَاسِر فَاِنَّ مَوْعِدَکُمُ الْجَنَّۃُ)) "اے یاسر کے گھر والو' صبر کرو! اس لئے کہ تمہارے وعدہ کی جگہ جنت ہے"۔

یہ ابتدائی دور قریباً ساڑھے بارہ برس جاری رہا۔ درحقیقت یہ دور انقلابِ محمدی علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام کا ناگزیر بنیادی لازمہ (Prerequisite) ہے۔ اسی میں انقلابی نظریہ و فکر کی دعوت و تبلیغ بھی ہو رہی ہے' دعوت قبول کرنے والوں کی تنظیم بھی ہو رہی ہے اور اسی میں اہل ایمان کے تزکیہ اور تربیت کے مراحل بھی طے پا رہے ہیں۔ اس کے بھی دو پہلو ہیں۔ یعنی ایک طرف ان کے روحانی تزکیہ اور ترفع کا پروگرام بھی چل رہا ہے۔ اور دوسری طرف ان کو ماریں کھانے اور مصائب جھیلنے کا خوگر بنایا جا رہا ہے اور پھر یہ کہ ان کو ڈسپلن کی پابندی کا عادی بنایا جا رہا ہے{۱} جس سے ان کی قوت برداشت اور قوت ارادی کو چٹان کی مانند مضبوطی حاصل ہو رہی ہے۔ گویا تطہیرِ افکار اور تعمیرِ سیرت و کردار کے دونوں کام ساتھ ساتھ چل رہے ہیں۔ بلاشبہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین (معاذ اللہ) بزدل نہیں تھے کہ خاموشی سے ماریں کھاتے رہے اور ظلم و ستم اور عقوبت و تعذیب جھیلتے رہے۔ بلکہ یہ اس لئے تھا کہ انہیں رسول اللہ ﷺ کا حکم تھا کہ ہاتھ نہ اٹھائیں۔ علامہ اقبال کا یہ شعر صحابہ کرام کے طرزِ عمل کا عکاس ہے کہ ؎

بہ مصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبی است

{۱} غور کیجئے کہ اِس سے بڑی ڈسپلن کی پابندی اور کیا ہو سکتی ہے کہ چاہے تمہارے ساتھ یا تمہارے کسی رفیق کے ساتھ یا خود رسول اللہ داعی اول ﷺ کے ساتھ تشدد کا کتنا ہی ہولناک اور ناقابل برداشت معاملہ کیا جائے' ظلم و ستم کے کتنے ہی پہاڑ توڑے جائیں تم ہاتھ نہیں اٹھا سکتے۔ اِس طرح گویا اِن کی سمع و طاعت کی تربیت بھی ہو رہی ہے۔ (مرتب)

"اپنے آپ کو مصطفیٰ ﷺ کے قدموں تک پہنچاؤ' اس لئے کہ دین تو نام ہی مصطفیٰ کا ہے۔ اگر وہاں تک رسائی نہ ہوئی تو اس کے باہر تو بولہبی یعنی کفر' زندقہ اور ضلالت ہی ضلالت ہے"۔

یہ قرآن جس پر ہمارا ایمان ہے کہ یہ اللہ کا کلام ہے' ہمیں محمد مصطفیٰ ﷺ ہی سے ملا ہے۔ یہ مجھ پر یا کسی اور پر تو نازل نہیں ہوا۔ حتیٰ کہ ابوبکر' عمر' عثمان' علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہم وارضاہم) پر بھی نازل نہیں ہوا۔ رسول اللہ ﷺ پر قرآن بھی نازل ہوا اور نہ معلوم اللہ تعالیٰ نے آپؐ پر مزید کیا کیا نازل فرمایا! حضورؐ کا ارشاد ہے : ((اُوْتِیتُ الْقُرْاٰنَ وَ مِثْلَهٗ مَعَهٗ)) "مجھے قرآن بھی ملا ہے اور اس کے ساتھ ہی اس کی مثل اور بھی ملا ہے۔" اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو حکمت دی ہے' بصیرت دی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو بے پناہ صلاحیت عطا فرمائی ہے۔ پھر وحی خفی ہے۔ بہت سی باتیں اللہ تعالیٰ بذریعہ الہام حضورؐ کو پہنچا رہا ہے۔ کبھی خواب کے ذریعے سے رہنمائی دی جا رہی ہے' کبھی کشف ہو رہا ہے۔ یہ سب چیزیں بھی اللہ تعالیٰ کی تعلیم کا ایک حصہ ہیں جو اُس (تعالیٰ) نے اپنے نبی کریم ﷺ کی فرمائی۔

تشدد کے جواب میں ہاتھ نہ اٹھانے اور صبر کرنے کی بہت سی حکمتوں میں سے ایک حکمت یہ بھی ہے کہ لوگ سمع و طاعت کے خوگر ہو رہے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی ایک حکم اور بھی ہے کہ پیچھے نہیں ہٹنا! اپنے موقف پر ڈٹے رہنا ہے! یہ نہ ہو کہ اس تشدد سے گھبرا کر اپنے انقلابی نظریہ کو خیرباد کہہ دو اور اس سے کنارا کش ہو جاؤ۔ نہیں! ڈٹے رہنا ہے اور کھڑے رہنا ہے۔ جان جاتی ہے تو جائے! یہ ہے اس تصادم کا پہلا مرحلہ ـــــ "صبر محض" یا Passive Resistance۔

گاندھی کا نظریہ عدم تشدد اور حضرت مسیح علیہ السلام کے اقوال

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ سے اغیار نے بھی بہت سے سبق حاصل کئے ہیں۔ چنانچہ مناسب وقت پر عدم تشدد کا مسنون انداز بھی غیروں نے اپنایا ہے۔ اس کی مثالوں میں سے ایک مثال مسٹر گاندھی کی ہے۔ گاندھی نے عدم تشدد کا جو نظریہ اختیار

کیا وہ درحقیقت حضورؐ کی سیرت سے ماخوذ ہے۔ اس لئے کہ اس سے پہلے یہ چیز صرف دو جگہ نظر آتی ہے۔ یا جناب محمد ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں' مسلسل بارہ برس۔ اس سے بڑا اور طویل عرصہ کہیں نظر آئے گا ہی نہیں ـــــ یا پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی کے تین سال کے دوران۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اقوال یہ ہیں کہ "اگر کوئی تمہارے داہنے گال پر تھپڑ مارے تو بایاں بھی پیش کردو۔" اور یہ کہ "اگر کوئی نالش کرکے تمہارا چوغہ لینا چاہے تو تم کرتا بھی اتار کر دے دو۔" اور "تمہیں کوئی بیگار میں اپنے ساتھ ایک کوس لے جانا چاہے تو تم دو کوس جاؤ" ـــــ یہ درحقیقت بالکل ابتدائی اور تمہیدی دور کی تعلیم ہے جس میں دعوت و تبلیغ کے ساتھ ہی مصائب و تشدد کا مرحلہ شروع ہو جاتا ہے۔ اس کے لئے حضرت مسیح علیہ السلام صبر محض اور ایثار و قربانی کی تعلیم دے رہے ہیں' تاکہ ایک طرف معاندین و مخالفین کا بغض اور خُبثِ باطن آشکارا ہو جائے' تو دوسری طرف اہل ایمان میں قوتِ برداشت پیدا ہو۔ اب یہ مشیتِ الٰہی تھی کہ اسی صبر محض یعنی Passive Resistance کے دور میں آں جناب علیہ السلام کا رفعِ آسمانی ہو گیا۔ گو کہ یہودیوں نے تو اپنی دانست میں آنجناب علیہ السلام کو صلیب پر چڑھوا کر دم لیا تھا۔ عیسائیوں کی عظیم ترین اکثریت بھی اسی غلط فہمی میں مبتلا چلی آ رہی ہے' جبکہ انجیل برنباس میں وہی باتیں بیان ہوئیں جو قرآن میں ہوئی ہیں اور جو حقیقت و صداقت پر مبنی ہیں۔ کتاب و سنت کے مطابق آپ علیہ السلام جسدِ خاکی کے ساتھ زندہ آسمان پر اٹھا لئے گئے اور وہاں جسم و روح کے اتصال کے ساتھ زندہ ہیں۔ قربِ قیامت میں آنجناب علیہ السلام کا نزول ہو گا' آپ علیہ السلام بنفس نفیس آسمان سے نزول فرمائیں گے۔ اس وقت آپ علیہ السلام کے ہاتھ میں تلوار بھی ہو گی یعنی آپ علیہ السلام قتال فرمائیں گے۔ اور سیرتِ محمد علیٰ صاحبہا الصلوۃ والسلام کے مدنی دور کی جھلک بھی دنیا سیرت عیسوی علیٰ نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام میں دیکھ لے گی۔ آپ علیہ السلام اس نزول کے وقت نبی آخر الزماں جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی ہوں گے۔ آپ علیہ السلام کے ہاتھوں یہودیوں کو عذاب استیصال کا مزا چکھنا ہو گا۔ دجال اکبر آں جناب علیہ السلام کے ہاتھوں قتل ہو گا۔ یہودی دنیا سے اسی طرح نیست و نابود کر دیئے جائیں گے

جیسے قوم نوح، قوم عاد، قوم ثمود، قوم لوط اور اصحاب مدین وغیرہ وقت کے رسولوں کی تکذیب کے جرم میں اس دنیا سے بھی نسیاً منسیا کر دی گئیں اور آخرت کا عذاب تو ان کا مقدر رہے ہی۔

سیرتِ عیسوی علیہ السلام میں چونکہ "اِقدام" (Active Resistance) کا دور آیا ہی نہیں، لہٰذا مسلح تصادم کا دور کیسے نظر آتا؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کوئی نیا نظام شریعت لے کر تشریف نہیں لائے تھے بلکہ شریعتِ موسوی علیہ السلام کی تجدید و احیاء کے لئے مبعوث ہوئے تھے۔ چنانچہ موجودہ اناجیل میں آپ علیہ السلام کے "پہاڑی کے وعظ" میں یہ قول آج بھی موجود ہے کہ جہاں تک قانون شریعت کا تعلق ہے میں اسے بدلنے نہیں آیا۔ قانون تورات ہی کا نافذ رہے گا۔ خود قرآن میں قصاص کا قانون تورات کے حوالے سے بیان ہوا ہے اور شریعتِ محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں تورات کے اس قانون کو باقی رکھا گیا ہے، تو کیسے ممکن تھا کہ قصاص کے اس قانون کو حضرت مسیح علیہ السلام ساقط کر دیتے۔ لیکن قانون اور ہوتا ہے، دعوت و تبلیغ کے تقاضے کچھ اور ہوتے ہیں۔ دعوت و تبلیغ کے ابتدائی دور میں کسی طرح بھی قصاص کی اجازت نہیں ہوتی۔ اس موقع پر حکم ہوتا ہے "کُفُّوا اَیْدِیَکُمْ"۔ حضرت مسیح علیہ السلام کے اقوال میں اگر تدبّر اور غور و فکر سے کام لیا جائے، تو وہاں بھی یہی حکمت کار فرما نظر آتی ہے۔

اگرچہ تورات میں نازل شدہ قصاص کا یہ قانون پوری دنیا میں زبان زدِ عام ہو گیا تھا کہ آنکھ کے بدلے آنکھ، کان کے بدلے کان، دانت کے بدلے دانت اور جان کے بدلے جان، لیکن مکّی دور میں نبی اکرم ﷺ نے قصاص کے اس آفاقی و مسلّمہ قانون کی بجا آوری سے صحابہ کرامؓ کو روک رکھا تھا۔ ورنہ اگر ہاتھ اٹھانے کی اجازت ہوتی تو بلالؓ صبر و سکون کے ساتھ اُمیّہ بن خلف کے بہیمانہ تشدد کا نشانہ نہ بنتے۔ وہ جان پر کھیل جاتے اور اس ظالم کو مزا چکھا دیتے۔ کیا جو ذہنی اور جسمانی کوفت و اذیت مکّہ کی گلیوں میں مُردہ جانور کی طرح کھینچے جانے کے باعث ہو رہی تھی، وہ جان دینے سے کم تھی؟ ـــــ اگر اجازت ہوتی تو خبابؓ بن ارت ننگی پیٹھ دہکتے ہوئے انگاروں پر لیٹنے کے بجائے کیا دو چار کو ساتھ لے کر نہ مرتے؟ ـــــ ایک شخص دیکھ رہا ہے کہ یہ سارا اہتمام میرے لئے ہو

رہا ہے۔ یہ دہکتے انگارے میرے لئے بچھائے جا رہے ہیں۔ ان سے کہا جاتا ہے کہ کُرتا اتارو اور وہ اتار دیتے ہیں۔ کہا جاتا ہے ان انگاروں پر لیٹ جاؤ اور وہ لیٹ جاتے ہیں۔ ایسا کیوں ہے؟ ورنہ آدمی پس و پیش کرتا ہے۔ آدمی مایوس اور desperate ہو جائے تو اس میں بے پناہ قوت پیدا ہو جاتی ہے۔ کمزور ہو تو بھی ایسے شخص میں مقابلے کی زبردست طاقت عود کر آتی ہے۔ مشہور ہے کہ اگر بلی کہیں گھیرے میں آجائے اور اسے کسی طرف نکلنے کا راستہ نہ ملے تو وہ انسان پر حملہ آور ہو جاتی ہے۔ اس لئے کہ وہ جان لیتی ہے کہ اس کے سوا اس کے لئے کوئی چارہ نہیں۔ لیکن وہاں اس کی اجازت نہیں تھی۔ تو یہ بات بہت اہم ہے۔ معاذ اللہ! وہاں بزدلی کا معاملہ نہیں تھا۔ نہ معاذ اللہ بے غیرتی اور بے حمیتی کا کوئی معاملہ تھا کہ اہل ایمان یہ تشدد اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں لیکن حرکت نہیں کرتے۔ یہ فلسفۂ انقلاب ہے ـــــ اور گاندھی نے عدم تشدد کا فلسفہ یہیں سے سیکھا ہے۔ البتہ گاندھی کی حماقت یہ ہے کہ اس نے اسے مستقل فلسفہ بنالیا۔ جبکہ یہ فلسفہ ایک دور کا فلسفہ ہے' کوئی مستقل فلسفہ نہیں ہے۔ اس لئے کہ اس درجے میں عدم تشدد کہ جس درجہ میں بعد میں جا کر گاندھی نے اس کی تبلیغ کی' وہ نری حماقت ہے۔ جن لوگوں کی نظر سے مولانا آزاد کی کتاب "India Wins Freedom" گزری ہے' ان کے علم میں ہو گا کہ وہ گاندھی کے اس فلسفہ کا مذاق اڑاتے ہیں کہ گزشتہ جنگِ عظیم میں گاندھی نے اتحادیوں کو ہٹلر کے آگے عدم تشدد کے فلسفہ کے تحت ہتھیار ڈال دینے کی تلقین کی تھی۔ عدم تشدد کے فلسفہ کو اس سطح تک لائیں گے تو یہ پاگل پن ہے۔ لیکن ہاں' ایک انقلابی تحریک اپنے ابتدائی مرحلہ میں اسے اختیار کرتی ہے۔ گاندھی نے اس سے بڑا فائدہ اٹھایا تھا۔ اس لئے کہ اگر شروع میں کانگریس کی پالیسی عدم تشدد کی نہ ہوتی تو انگریز آناً فاناً پوری تحریک کو کچل کر رکھ دیتا اور تحریک آگے نہ بڑھ سکتی۔ لیکن ان کی طرف سے عدم تشدد کے باعث حکومت کے ہاتھ بندھ گئے تھے کہ کیا کرے؟ یہ تشدد تو کر نہیں رہے۔ اسے عالمی رائے عامہ کا بھی لحاظ رکھنا تھا۔

سکھوں کی گوردوارہ پر بندھک تحریک

عدم تشدد کی ایک اور مثال سکھوں کی گوردوارہ پر بندھک تحریک ہے۔ سکھوں کے گوردواروں کے ساتھ جو اوقاف تھے ان پر قبضہ ہندوؤں کا تھا۔ چونکہ سکھوں کے بارے میں پورے طور پر یہ معیّن نہیں تھا کہ یہ کوئی علیحدہ مذہب ہے اور ہندو انہیں ہندومت ہی کا ایک فرقہ قرار دیتے تھے' لہٰذا سکھوں کے گوردواروں کے اوقاف پر ہندو قابض تھے اور ان کی آمدنی میں اپنی مرضی کے مطابق تصرف کرتے تھے۔ ایسا بھی ہوتا تھا کہ کچھ بڑے لوگ پٹواریوں کی مٹھی گرم کرکے کاغذات اور دستاویزات تبدیل کرا کے انہیں ذاتی ملکیت بنا لیتے تھے۔ {۱} سکھوں نے تحریک چلائی کہ ہمارے گوردواروں اور ان کے اوقاف کا کنٹرول ہمارے پاس ہونا چاہئے۔ یہ کیا تماشہ ہے کہ عبادت گاہیں تو ہماری ہیں اور ان کے ساتھ جو املاک و اوقاف ہیں وہ ہندوؤں کے ہاتھ میں ہیں۔ لیکن آپ کو معلوم ہے کہ ہندو کی رسائی انگریز کے دربار میں بہت ہو چکی تھی۔ لہٰذا انگریز نے ہندوؤں کی پشت پناہی کی اور سکھوں کے اس معقول مطالبہ کو رد کر دیا۔ اور پولیس کو تو حکومت کی شہ اور پیسہ چاہئے۔ لہٰذا اس کی طرف سے بھی ہندوؤں کا پورا پورا ساتھ دیا گیا۔ بالآخر سکھوں نے اس تحریک کو عدم تشدد کے اصول پر چلانے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ احتجاج کے لئے سکھوں کا جو جتھا نکلتا تھا اس کو حکم تھا کہ اپنے ہاتھ بندھے رکھیں۔ ہر جتھا عموماً پچاس رضا کاروں پر مشتمل ہوتا تھا۔ غالباً دفعہ ۱۴۴ نافذ تھی' لہٰذا قانون کی خلاف ورزی ہو گئی۔ اور پولیس کو اختیار حاصل ہو گیا کہ ان پر لاٹھی چارج کرے' ڈنڈے چلائے اور ان کو منتشر کر دے —— ادھر ان رضا کاروں کو یہ حکم تھا کہ اپنے ہاتھ

{۱} جیسے ہمارے یہاں مزارات ہیں اور ان کے ساتھ اوقاف ہیں' تو گدی نشین صاحبان اُن کے ایک طرح مالک ہوتے ہیں۔ ہمارے یہاں بھی جب اوقاف ایکٹ بنا تو اِن گدی نشینوں میں سے بڑی اکثریت نے پٹواریوں کی مٹھی گرم کرکے بہت سی اِملاک کے لئے اپنے حق میں کاغذات اور دستاویزات مرتب کرالیں اور اب اِن کی آمدنی پر عیش کر رہے ہیں۔ (مرتب)

بندھے رکھیں' ماریں کھائیں لیکن پیچھے نہ ہٹیں۔ حاجی عبدالواحد صاحب مرحوم و مغفور' جو امرتسر کے رہنے والے تھے' وہ اس تحریک کے عینی شاہد تھے۔ انہوں نے بتایا کہ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ لاٹھیاں پڑنے سے سکھ رضا کار کا سر پھٹ گیا اور وہ زمین پر گر گیا لیکن اس کے ہاتھ بندھے رہے۔ اس طرح جتھے کے تمام رضا کار زخمی ہو کر گرتے رہے لیکن کیا مجال کہ کسی کے ہاتھ کھلے ہوں۔ ایک جتھا اس بری طرح زخمی ہو گیا تو اس کی جگہ لینے دوسرا جتھا آ گیا۔ چنانچہ انگریز کو جھکنا پڑا اور سکھوں کی تحریک کامیاب ہوئی۔ اور اُن کے گوردواروں کے اوقاف کا انتظام وانصرام ان کو مل گیا۔

چوراچوری کا واقعہ

گاندھی نے ۲۱۔۱۹۲۰ء میں عدم تشدد کی بنیاد پر ترکِ موالات کی جو تحریک' تحریکِ خلافت کے ساتھ مل کر چلائی تھی تو اس کے دوران پورے ہندوستان میں صرف ایک جگہ عدم تشدد کے اصول کی خلاف ورزی ہوئی۔ صوبہ بہار کا "چوراچوری" نامی ایک قصبہ تھا۔ یہاں پر پولیس والوں نے کچھ شرارت کی' جس سے جلوس میں شامل بعض لوگ مشتعل ہو گئے اور انہوں نے تھانے پر حملہ کیا' بہت سے سپاہیوں کو مار دیا اور تھانہ میں آگ لگا دی' جس میں کچھ پولیس والے زندہ جل کر مر گئے۔ اب آپ دیکھئے کہ گاندھی نے صرف اس ایک حادثہ پر پوری تحریک ختم (Call Off) کر دی۔ اُس وقت گاندھی کی زندگی میں بڑا نازک مرحلہ آیا تھا۔ پورے ہندوستان میں اس کے خلاف جذبات مشتعل ہو گئے کہ یہ کیسا لیڈر ہے کہ اس نے تحریک ختم کر دی۔ ایسے موقع پر تو عموماً لوگ لیڈر کو گالیاں دیتے ہیں۔ لیکن گاندھی نے اپنی لیڈری کی موت کا خطرہ مول لیا اور صرف یہ کہا کہ اگر تم میرے حکم پر نہیں چل سکتے تو میں تمہاری رہنمائی کی ذمہ داری نہیں لے سکتا۔ میرا حکم یہ تھا کہ تمہیں ہاتھ نہیں اٹھانا' تشدد نہیں کرنا' لیکن تم تشدد کر رہے ہو تو گویا تم میرا حکم ماننے کو تیار نہیں ہو۔ میں اس تحریک کی رہنمائی کی ذمہ داری کیسے قبول کر لوں کہ جس کے بارے میں مجھے یہ اعتماد نہ ہو کہ اس تحریک میں حصہ لینے والے میری بات کو مانیں گے۔ گاندھی کی بات بڑی معقول تھی۔

گاندھی کا ذکر اگر میں کرتا ہوں تو اس اعتبار سے نہیں کہ معاذ اللہ وہ میرے لئے کوئی حجت یا کوئی دلیل ہے یا رہنمائی کے لئے کوئی مثال ہے۔ میرا یہ دعویٰ ہے کہ گاندھی نے یہ اصول سیرتِ محمد علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے سیکھا ہے۔ اس کے شواہد موجود ہیں کہ گاندھی نے اسلام کا مطالعہ کیا تھا ـــــ اس کے لئے میں دو مثالیں پیش کر دیتا ہوں۔

(i) علی گڑھ کے طلبہ سے خطاب :

۱۹۸۴ء میں حیدر آباد دکن کے دعوتی دورے کے دوران میں نے متعدد تقریریں کیں اور قرآن حکیم کے دروس بھی دیئے۔ وہاں پر ایک صاحب' جو عثمانیہ یونیورسٹی کے ہیڈ آف پولیٹیکل سائنس کی پوسٹ سے ریٹائر ہوئے تھے انہیں میری فلسفۂ انقلاب والی تقریر بہت پسند آئی اور وہ اس سے بہت متأثر ہوئے۔ بعد میں وہ مجھ سے ملنے آئے اور انہوں نے میری باتوں کی توثیق کے لئے بہت سے واقعات بتائے۔ انہوں نے علی گڑھ سے ایم اے کیا تھا۔ انہوں نے اپنے زمانہ طالب علمی کا ایک واقعہ سنایا' جو غالباً ۱۹۱۸ء کے آس پاس کا ہے۔ جنوبی افریقہ میں نسلی امتیازات کے خلاف گاندھی نے جو تحریک چلائی تھی' اس کی وجہ سے وہ پوری دنیا میں مشہور ہو گئے تھے۔ کالج میں اعلان ہوا کہ گاندھی کالج آ رہے ہیں۔ اُس وقت تک علی گڑھ کو یونیورسٹی کا درجہ حاصل نہیں تھا۔ لوگوں میں بڑا اشتیاق پیدا ہوا۔ وہ صاحب بتاتے ہیں کہ گاندھی آئے اور سیدھے اس کمرے میں چلے گئے جس میں سرسید احمد خاں مرحوم کی قبر ہے۔ وہاں وہ اکیلے پون گھنٹے تک سرسید مرحوم کی قبر کے پائنتی بیٹھے رہے۔ ایسا کیوں ہوا! یہ اللہ جانے۔ گاندھی جب باہر آئے تو منتظمین اور طلبہ نے ان سے جلسہ سے خطاب کے لئے کہا۔ انہوں نے جواب دیا کہ میں تو صرف سرسید صاحب کی قبر کی زیارت کے لئے آیا تھا' مجھے اور کوئی کام نہیں ہے۔ جب بہت زور دیا گیا تو گاندھی نے کہا کہ پہلے میں پورے کالج اور ہوسٹل کا ایک چکر (Round) لگانا چاہتا ہوں۔ اُس وقت ہوسٹل کی وہ صورت نہیں تھی جو آج کل ہے' اُس وقت علی گڑھ میں نواب زادوں' جاگیرداروں اور بڑے بڑے رئیسوں کے لڑکے پڑھتے تھے۔ ان کے کمروں میں قالین بچھے ہوئے تھے اور صوفے لگے ہوئے تھے۔ کالج کے طلبہ بڑے ٹھاٹھ باٹھ سے رہتے تھے۔

گشت کے بعد گاندھی نے ہال میں مختصر سی تقریر کی' جس میں دو باتیں قابل ذکر ہیں۔ ایک یہ کہ "میں آپ حضرات کو خوشخبری دیتا ہوں کہ آپ کا یہ کالج جلد ہی یونیورسٹی بن جائے گا۔ اس کا فیصلہ ہو چکا ہے"۔ دوسری خاص بات یہ کہی کہ "اگر آپ کا کالج یا آپ کی یونیورسٹی ایک بھی حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) پیدا کر دے تو یہ بہت بڑی کامیابی ہوگی۔ لیکن میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ آپ کا کالج یا یونیورسٹی ایک بھی حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) پیدا نہیں کر سکتی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ میں نے آپ کے ٹھاٹھ باٹھ دیکھ لئے ہیں' صوفوں اور قالینوں پر پڑھنے والے حضرت عمر نہیں بن سکتے"۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس کا کتنا گہرا مطالعہ تھا۔ کیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جانے بغیر کوئی شخص یہ بات کہہ سکتا ہے؟ ـــــ میں نے جب اُن سے یہ واقعہ سنا تو فوراً میرا ذہن علامہ اقبال مرحوم کی اِس نظم کی طرف منتقل ہوا جو علامہ نے اسی زمانہ میں کہی تھی جس زمانے کا یہ واقعہ ہے۔ میرا خیال ہے کہ گاندھی کی اس تقریر کی اخبارات میں رپورٹنگ ہوئی ہوگی اور شاید علامہ نے اسی سے متأثر ہو کر یہ اشعار کہے ہوں گے کہ ؎

ترے صوفے ہیں افرنگی' ترے قالیں ہیں ایرانی
لہو مجھ کو رلاتی ہے جوانوں کی تن آسانی
امارت کیا' شکوہِ خسروی بھی ہو تو کیا حاصل!
نہ زورِ حیدری ؓ تجھ میں نہ استغنائے سلمانی !!

بہرحال یہ ایک خیال ہے۔ اب کوئی اس کی تحقیق کرے تو بات واضح ہو سکے گی۔

(ii) گاندھی کا مشورہ کانگریس کے وزراء کو :

گاندھی کی دوسری بات بہت مشہور و معروف ہے کہ جب ۱۹۳۷ء میں بہت سے صوبوں میں انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء کے تحت پہلی بار کانگریس کی وزارتیں بنیں تو گاندھی نے اپنے اخبار "ہریجن" میں لکھا کہ "میں تمام وزیروں سے کہتا ہوں کہ حکومت میں حضرت ابوبکر (رضی اللہ عنہ) اور حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) کی مثال سامنے رکھیں' جنہوں نے درویشی میں ایک عظیم ترین سلطنت کی سربراہی کی"۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ تاریخ اسلام کے پہلے قرن سعید کا گاندھی کا مطالعہ کتنا تھا!۔ بہرحال میں گاندھی کے عدم تشدد کی

بات کرتا ہوں تو اس اعتبار سے کہ انہوں نے یہ سبق سیرت النبیؐ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے سیکھا ہے۔ {۱}

لاحاصل احتجاجی مظاہرے

ہمارے یہاں بھی تحریکیں چلتی ہیں' گو وہ انقلاب کے لئے نہیں ہوتیں' صرف ایک ناپسندیدہ حکمران یا پارٹی کو ایوان حکومت سے بے دخل کرنے کے لئے ہوتی ہیں۔ لیکن ہوتا یہ ہے کہ تحریک کے قائدین کہا کرتے ہیں کہ جلوس تو ہم نے نکالا لیکن توڑ پھوڑ کوئی اور کر گیا۔ عجیب بات ہے۔ اگر آپ کی اتنی تنظیم نہیں ہے' اگر آپ کا اتنا کنٹرول نہیں ہے' اگر آپ کا اتنا ڈسپلن نہیں ہے تو آپ کو کوئی حق نہیں ہے کہ آپ سڑکوں پر آئیں۔ کیا طرفہ تماشا ہے کہ جلوس تو نکل رہا ہے حکومت وقت کے خلاف اور شامت آ رہی ہے قومی اُملاک کی۔ کہیں اسٹریٹ لائٹیں توڑ دی گئی ہیں' کہیں نیون سائن اور اسٹریٹ سگنلز کی شامت آ گئی ہے۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ بسوں کے ٹائر پھاڑے جا رہے ہیں' بسیں جلائی جا رہی ہیں۔ یہ نہیں سوچتے کہ ساٹھ ستر آدمیوں کو ہم نے بس سے اتار کر کھڑا کر دیا اور بس کو آگ لگا دی تو کیا وہ لوگ ہم کو دل میں گالیاں نہیں دے رہے ہوں گے؟ اور اس طرح رائے عامہ ہمارے حق میں جا رہی ہے یا خلاف جا رہی ہے؟ اب آپ سوچئے کہ اگر کسی کو چار پانچ میل دور کسی مقام پر جانا ہے تو اس پر کیا بیتی ہوگی؟ پھر ایسی حرکتوں سے برسر اقتدار طبقہ کو کیا تکلیف پہنچتی ہے اور اس کا کیا نقصان ہوتا ہے؟ تکلیف پہنچتی ہے عوام الناس کو اور نقصان ہوتا ہے قومی املاک کا —— اس کا نام مظاہرہ نہیں ہے' یہ تو درحقیقت فساد ہے' ہنگامہ ہے۔ اس کا کوئی حاصل نہیں ہے۔ نتیجہ خیز مظاہرے وہ تھے

{۱} محترم ڈاکٹر صاحب نے یہ تقریر ۱۹/ اکتوبر ۱۹۸۴ء کو مسجد دارالسلام میں ارشاد فرمائی تھی۔ بعد ازاں "نوائے وقت" کے ممتاز کالم نگار جناب م۔ ش مرحوم کا ایک خط ڈاکٹر صاحب کو موصول ہوا جس میں فاضل کالم نگار نے یہ اِنکشاف کیا کہ خان عبدالغفار خاں نے ایک بار انہیں (یعنی م۔ ش صاحب کو) یہ بتایا کہ گاندھی نے عدم تشدد کا فلسفہ حضور ﷺ کی سیرت سے اخذ کیا ہے۔ (مرتب)

جن کا اوپر ذکر ہوا ـــــ اپنے حقوق کے لئے' اپنے جائز مطالبوں کے لئے کسی ظالم اور جابر بر سراقتدار طبقے کے خلاف سڑکوں پر نکلنا پڑے تو نکلئے ـــــ لیکن اس شان سے کہ لاٹھی چارج سے سر پھٹ جائے' گولیوں کی بوچھاڑ سے جسم زخمی ہو جائے' آنسو گیس سے آنکھوں میں شدید اذیت پہنچے لیکن ہاتھ بندھے رہیں اور جواب میں کسی نوع کا بھی متشددانہ رویہ اختیار نہ کیا جائے۔ رہا توڑ پھوڑ' بسوں' موٹروں اور قومی املاک کو نقصان پہنچانا تو یہ فساد ہے' بدامنی ہے جو حکومت وقت کو پوری قوت کے ساتھ تحریک کو کچلنے کا اخلاقی اور قانونی جواز فراہم کرتی ہے۔

عدم تشدد کی اوپر بیان کردہ مثالیں اگرچہ غیروں کی ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ سیرت نبوی ﷺ سے ماخوذ ہیں۔ جیسا کہ علامہ اقبال نے کہا ؎

ہر کجا بینی جہانِ رنگ و بُو آنکہ از خاکش بروید آرزو!!
یا ز نورِ مصطفیٰ او را بہاست یا ہنوز اندر تلاشِ مصطفیٰ است

یعنی دنیا میں جو کچھ بھی خیر اور بھلائی کہیں نظر آ رہی ہے وہ یا تو محمد رسول اللہ ﷺ کی عطا کردہ روشنی ہی سے حاصل کی گئی ہے یا ابھی نوع انسانی نورِ مصطفیٰ کی تلاش میں ہے۔ یعنی غیر شعوری طور پر اُن راستوں کی تلاش میں ہے اور انہی کی طرف پیش قدمی کر رہی ہے جو راستے محمد رسول اللہ ﷺ نے دیئے تھے۔

اقول قولی ہذا واستغفر اللہ لی ولکم ولسائر المسلمین والمسلمات

ڈاکٹر اسرار احمد کا نہایت اہم خطاب

جہاد بالقرآن

کتابی صورت میں دستیاب ہے

غلطیوں کی اصلاح کا نبویؐ طریق کار (۲)

تالیف : علامہ محمد صالح المنجد' مترجم : مولانا عطاء اللہ ساجد

(گزشتہ سے پیوستہ)

اصلاح کے موقع پر پیش نظر رکھے جانے والے بعض امور

۵) اصلاح کرنے والے کے مقام و مرتبہ کا لحاظ :

بعض اوقات ایک شخص کی ایسی سختی برداشت کرلی جاتی ہے جو دوسروں کی طرف سے ہو تو برداشت نہیں کی جاتی' کیونکہ اس کو وہ مقام حاصل ہوتا ہے جو دوسروں کو نہیں ہوتا' یا اس کو وہ اختیار حاصل ہوتا ہے جو دوسروں کو حاصل نہیں ہوتا۔ مثلاً باپ کو بیٹے پر' استاد کو شاگرد پر' محتسب کو عام آدمی پر وہ اختیار حاصل ہے جو دوسروں کو نہیں ہے۔ اپنے سے بڑی عمر والے سے اس انداز سے بات نہیں کی جاتی جس طرح ہم عمر سے یا چھوٹے سے کی جاتی ہے۔ رشتہ دار اور اجنبی برابر نہیں۔ صاحب اختیار کی حالت وہ نہیں ہے جو اختیار نہ رکھنے والے کی ہے۔ اس فرق کو پیش نظر رکھ کر اصلاح کرنے والا ہر چیز کو اس کے مقام پر رکھ سکتا ہے اور معاملات کو صحیح طور پر پرکھ سکتا ہے' تاکہ غلطی سے منع کرنے یا اصلاح کرنے کی کوشش میں اس سے بڑی غلطی پیدا نہ ہو جائے۔ تنبیہہ کس درجہ کی ہو اور اس میں سختی یا نرمی کا کیا معیار رکھا جائے' اس کا دارومدار اس بات پر ہے کہ غلطی کتنی بڑی ہے اور غلطی کرنے والے کے دل میں منع کرنے والے کا کیا مقام اور کس درجہ کا رعب و دبدبہ ہے۔

مذکورہ بالا تفصیل سے دو امور مستنبط ہوتے ہیں :

اول : جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے کوئی مقام و مرتبہ اور اقتدار و اختیار عطا فرمایا ہے' اس کا فرض ہے کہ اس سے فائدہ اٹھا کر امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور لوگوں کی

تربیت کا کام انجام دے اور اس بات کا احساس کرے کہ اس کی ذمہ داری بہت بڑی ہے' اور لوگ دوسروں کی نسبت اس کی بات زیادہ مان سکتے ہیں' اور وہ جو کچھ کر سکتا ہے دوسرے لوگ نہیں کر سکتے۔

دوم : امر و نہی کا فریضہ انجام دینے والے کو چاہئے کہ اپنے مقام کا غلط اندازہ نہ لگائے' اور خود کو اپنے حقیقی مقام سے بلند تر مقام پر رکھ کر اس انداز سے کام نہ کرے جو اس کے لئے مناسب نہیں' کیونکہ اس طرح لوگ اس سے دور ہٹیں گے اور اصل مقصد کے حصول میں رکاوٹ پیدا ہو گی۔

جناب رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے جو عظیم مقام اور عام لوگوں کے دلوں میں آپؐ کی جو ہیبت عطا فرمائی تھی' آنحضرت ﷺ تنبیہہ اور تربیت میں اس سے فائدہ اٹھاتے تھے۔ اور بعض اوقات آپؐ کا طرز عمل ایسا ہوتا تھا کہ اگر کوئی اور شخص وہ انداز اختیار کرے تو اس سے صحیح فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا۔ اس کی ایک مثال پیش خدمت ہے :

حضرت یَعیش بن طِھفَہ غفاری نے اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کیا' انہوں نے فرمایا : جو نادار حضرات نبی اکرم ﷺ کے مہمان ہوا کرتے تھے (ایک بار) ان میں (شامل ہو کر) میں بھی آنحضرت ﷺ کے ہاں مہمان ہوا۔ آنحضرت ﷺ رات کو اپنے مہمانوں کی دیکھ بھال کی غرض سے تشریف لائے تو مجھے پیٹ کے بل لیٹے دیکھا۔ آنحضرت ﷺ نے مجھے قدم مبارک سے ٹھوکا دیا اور فرمایا : "اس انداز سے نہ لیٹو۔ اللہ تعالیٰ اس انداز سے لیٹنے کو ناپسند فرماتے ہیں۔" ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ قدم مبارک سے ٹھوکا دے کر جگایا اور فرمایا : "یہ اہل جہنم کا لیٹنے کا انداز ہے"۔ (۱۵)

نبی اکرم ﷺ کے مقام و مرتبہ کے پیش نظر آنحضرت ﷺ کے لئے تو اس انداز سے تنبیہہ کرنا بالکل مناسب تھا' لیکن عام آدمی کے لئے اسے اختیار کرنا قطعاً مناسب نہیں۔ یعنی اگر کوئی شخص اپنے بھائی کو پیٹ کے بل سوئے ہوئے دیکھتا ہے تو یہ درست نہیں کہ اسے پاؤں کی ٹھوکر مار کر جگا دے' اور پھر یہ امید رکھے کہ وہ اس کی بات مان لے گا اور شکریہ بھی ادا کرے گا۔ (۱۶)

ہم دیکھتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ اپنے خاص صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کسی اعرابی یا اجنبی کی نسبت زیادہ سختی سے تنبیہہ فرماتے تھے۔ اور یہ سب کچھ حکمت میں شامل ہے' اور تنبیہہ کرتے وقت حالات کا صحیح اندازہ کرنے کی مثال ہے۔

۶) مسئلہ سے لاعلم غلطی کرنے والے اور جانتے ہوئے غلطی کرنے والے میں فرق کرنا:

اس کی ایک واضح مثال حضرت معاویہ بن حکم سلمی رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے۔ وہ صحرائی زندگی گزارنے والے آدمی تھے۔ جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو انہیں معلوم نہیں تھا کہ نماز کے دوران بات چیت کرنا حرام ہے۔ وہ فرماتے ہیں: "میں جناب رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا کہ ایک نمازی کو چھینک آگئی۔ میں نے (نماز کے دوران ہی) کہہ دیا: "یرحمک اللہ" صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مجھے گھور کر دیکھا تو میں نے کہا: ہائے میں مرجاؤں! تم لوگ میری طرف اس طرح کیوں دیکھ رہے ہو؟ انہوں نے اپنی رانوں پر ہاتھ مار کر مجھے خاموش کرانا چاہا۔ میں نے دیکھا کہ وہ مجھے خاموش کرانا چاہتے ہیں تو (میرا جی چاہا کہ انہیں جواب دوں) لیکن (اپنے آپ پر ضبط کر کے) میں خاموش ہوگیا۔ جب رسول اللہ ﷺ نے نماز مکمل کرلی تو ـــــ میرے ماں باپ آپؐ پر قربان' میں نے کوئی معلم آنحضرتؐ سے بہتر انداز سے تعلیم دینے والا نہیں دیکھا ـــــ اللہ کی قسم' حضور علیہ السلام نے نہ مجھے جھڑکا' نہ مارا' نہ برا بھلا کہا' بس یہ فرمایا: اس نماز میں لوگوں والی باتیں کرنا درست نہیں' اس میں تو تسبیح و تکبیر اور تلاوت ہوتی ہے"۔ (۱۷)

یعنی جاہل کو تعلیم دینے کی ضرورت ہوتی ہے' جسے کوئی شبہ یا غلط فہمی ہو اسے مسئلہ کی وضاحت کی ضرورت ہوتی ہے' غافل کو یاد دہانی چاہئے' اور غلطی پر اصرار کرنے والے کو نصیحت کی ضرورت ہوتی ہے۔ لہٰذا یہ کسی طرح بھی درست قرار نہیں دیا جاسکتا کہ مسئلہ سے واقف اور ناواقف کو ایک ہی انداز سے تنبیہہ کی جائے۔ بلکہ جاہل پر سختی کرنے سے عام طور پر اس کے دل میں نفرت اور انکار کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ لیکن

اگر پہلے حکمت کے ساتھ نرمی سے سمجھایا جائے تو ایسا نہیں ہوتا۔ مسئلہ سے ناواقف شخص اپنے آپ کو غلطی پر تصور نہیں کر رہا ہوتا' لہٰذا جب اس پر تنقید کی جاتی ہے تو وہ گویا زبان حال سے کہہ رہا ہوتا ہے : بھائی! مجھ پر حملہ کرنے سے پہلے آپ نے مجھے مسئلہ تو بتایا ہوتا۔

بعض اوقات غلطی کرنے والا غیر شعوری طور پر درست راہ سے ہٹ گیا ہوتا ہے۔ بلکہ بعض اوقات وہ خود کو صحیح راستے پر تصور کر رہا ہوتا ہے۔ لہٰذا اس چیز کا لحاظ رکھا جانا چاہئے۔ مسند احمد میں حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے کھانا تناول فرمایا۔ پھر نماز کی اقامت ہوئی تو آنحضرت ﷺ نماز کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ آپؐ نے اس سے پہلے وضو کیا ہوا تھا۔ لیکن میں (دوبارہ) وضو کے لئے پانی لے آیا۔ حضور علیہ السلام نے مجھے جھڑک دیا۔ فرمایا : "پیچھے رہو"۔ مجھے اس سے بہت تکلیف ہوئی۔ نماز کے بعد میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ بات بتائی۔ انہوں نے عرض کیا : اے اللہ کے نبی! مغیرہؓ آپ کی سرزنش کی وجہ سے بہت دلگیر ہیں۔ وہ ڈرتے ہیں کہ آپ کے دل میں ان سے ناراضگی تو نہیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا : "میرے دل میں تو اس کے لئے اچھے جذبات ہی ہیں' لیکن وہ میرے پاس وضو کے لئے پانی لے آیا تھا' حالانکہ میں نے صرف کھانا کھایا تھا۔ اگر میں وضو کرتا تو میری اتباع میں سب لوگ (کھانا کھا کر) وضو کیا کرتے (جس سے امت کے لئے مشقت ہوتی)"۔ (۱۸)

یہاں یہ امر ملحوظ رہنا چاہئے کہ یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس عظیم مقام پر فائز تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے انہیں غلطی پر متنبہ کرنے سے ان کے دلوں میں کوئی ناپسندیدگی یا ذہنی بعد جیسے منفی اثرات پیدا ہونے کا کوئی خدشہ نہیں ہوتا تھا بلکہ اس کا ان پر مثبت اثر ہوتا تھا۔ چنانچہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان میں سے کسی سے عدم التفات کا اظہار فرماتے تھے تو وہ اپنے آپ کو قصوروار تصور کرتا اور ڈرا سہما رہتا تھا۔ وہ اس وقت تک بہت پریشان رہتا تھا جب تک اسے یقین نہ ہو جاتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی دور ہو چکی ہے۔

اس واقعہ میں یہ بات بھی توجہ کے قابل ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے جب مغیرہ رضی

اللہ عنہ پر عتاب فرمایا تو اس کی وجہ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کی شخصیت سے ناراضگی نہیں' بلکہ آنحضرت ﷺ کی عام مسلمانوں پر شفقت اور مسئلہ کی وضاحت تھی تاکہ وہ غیر واجب کو واجب سمجھ کر مشکل میں مبتلا نہ ہو جائیں۔

شاگرد اور پیرو کار کے دل میں استاد اور قائد کا مقام بہت بلند ہوتا ہے' لہٰذا جب وہ کسی شاگرد یا پیرو کار کو تنبیہہ کرتا ہے یا اس کے کسی کام کو غلط قرار دیتا ہے' تو اس کے دل میں اس کا بہت اثر ہوتا ہے۔ بعض اوقات تربیت کا فریضہ انجام دینے والا شخص عام لوگوں کے فائدہ کے پیش نظر اپنے کسی ساتھی کو تنبیہہ کرتا ہے اور مقصود دوسرے لوگوں سے متعلق کوئی مصلحت ہوتی ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس کے دل میں منفی اثر باقی رہنے دیا جائے بلکہ دوسرے طریقوں سے اس کا تدارک ہونا چاہئے تاکہ وہ اثر ختم ہو جائے۔ مثلاً پیرو کار کسی مناسب طریقے سے اپنے جذبات کا اظہار کر سکتا ہے اگرچہ کسی کے واسطہ سے ہی ہو۔ جیسے حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ذریعہ اپنے جذبات آنحضرت ﷺ تک پہنچائے۔ اس کے جواب میں قائد کی طرف سے موقف کی وضاحت کر کے یہ واضح کیا جانا چاہئے کہ وہ اس سے حسن ظن رکھتا ہے اور اس کے دل میں اس کا ایک مقام ہے۔

۷) اجتہاد کی بنا پر ہونے والی غلطی میں اور جان بوجھ کر یا غفلت اور کوتاہی سے ہونے والی غلطی میں فرق ہے:

پہلی قسم کی غلطی کا مرتکب تو یقیناً ملامت کا مستحق نہیں' بلکہ وہ اپنے اخلاص و اجتہاد کی بنا پر ثواب پائے گا۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

((اِذَا حَکَمَ الْحَاکِمُ فَاجْتَهَدَ فَاَصَابَ فَلَهٗ اَجْرَانِ ' وَاِذَا حَکَمَ فَاَخْطَاَ فَلَهٗ اَجْرٌ وَاحِدٌ)) (۱۹)

"فیصلہ کرنے والا جب فیصلہ کرتے وقت اجتہاد کرے اور اس کا اجتہاد صحیح ہو جائے تو اسے دوگنا ثواب ملے گا اور اگر اس سے فیصلہ میں غلطی ہو گئی تو اسے اکہرا ثواب ملے گا۔"

اس کے برعکس جو شخص جان بوجھ کر غلطی کرے' یا غلطی میں خود اس کی کوتاہی کا دخل ہو' تو اس کا یہ حکم نہیں۔ پہلے آدمی سے خیر خواہی کا سلوک کرتے ہوئے اسے صحیح مسئلہ بتایا جائے گا' دوسرے کو وعظ و نصیحت کر کے غلطی سے روکا جائے گا۔

وہ اجتہاد جس میں غلطی کرنے والے کو معذور قرار دیا جا سکتا ہے' اس کی شرط یہ ہے کہ اجتہاد کرنے والا اس کا اہل ہو' اور اس پر عمل ہو سکتا ہو۔ اس کے برعکس جو شخص بغیر علم کے فتویٰ دیتا ہے یا لوگوں کے حالات کی رعایت نہیں کرتا' اس کا اجتہاد درست نہیں۔ اسی لئے زخمی شخص کو غسل کا فتویٰ دینے والے صحابہ کرام کو آنحضرت ﷺ نے سختی سے تنبیہہ فرمائی تھی۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' انہوں نے فرمایا : "ہم لوگ سفر میں تھے' ہم میں سے ایک صاحب کو پتھر لگا جس سے ان کے سر میں زخم آ گیا۔ اس کے بعد انہیں نیند میں نہانے کی حاجت ہو گئی۔ انہوں نے اپنے ہم سفر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مسئلہ پوچھا اور کہا : کیا آپ کے علم کے مطابق میرے لئے تیمم کرنا جائز ہے؟ انہوں نے کہا : ہمارے خیال میں تو آپ کو یہ اجازت حاصل نہیں' کیونکہ پانی موجود ہے۔ چنانچہ انہوں نے غسل کیا جس کے نتیجے میں وہ فوت ہو گئے۔ جب ہم آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پہنچے تو یہ واقعہ بھی عرض کیا گیا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا : ((قَتَلُوهُ قَتَلَهُمُ اللّٰهُ' اَلَا سَاَلُوا اِذْ لَمْ يَعْلَمُوا؟ فَاِنَّمَا شِفَاءُ الْعِيِّ السُّوَالُ)) "انہوں نے اسے قتل کر دیا' اللہ انہیں قتل کرے! اگر انہیں معلوم نہیں تھا تو انہوں نے (کسی صاحب علم سے) پوچھ کیوں نہ لیا؟ کیونکہ لاعلمی کا علاج سوال کرنا ہے"۔ (۲۰)

اسی طرح آنحضرت ﷺ نے بیان فرمایا ہے :

((اَلْقُضَاةُ ثَلَاثَةٌ ' وَاحِدٌ فِي الْجَنَّةِ وَاثْنَانِ فِي النَّارِ ' فَاَمَّا الَّذِي فِي الْجَنَّةِ فَرَجُلٌ عَرَفَ الْحَقَّ فَقَضٰى بِهٖ' وَرَجُلٌ عَرَفَ الْحَقَّ فَجَارَ فِي الْحُكْمِ فَهُوَ فِي النَّارِ ' وَرَجُلٌ قَضٰى لِلنَّاسِ عَلٰى جَهْلٍ فَهُوَ فِي النَّارِ)) (۲۱)

"فیصلہ کرنے والے تین طرح کے ہیں' ان میں سے ایک جنتی ہے اور دو جہنمی ہیں۔ جنت میں تو وہ جائے گا جس نے حق کو سمجھ کر اس کے مطابق فیصلہ کیا۔ البتہ

جس نے حق کو سمجھ لیا' پھر غلط فیصلہ کیا' وہ جہنم میں جائے گا۔ اسی طرح جس نے حق کو سمجھے بغیر بے علمی کے باوجود فیصلہ کر دیا وہ بھی جہنم میں جائے گا"۔

اس حدیث میں آنحضرت ﷺ نے اس تیسری قسم کے آدمی کو معذور قرار نہیں دیا۔

تنبیہہ میں شدت کا درجہ متعین کرنے میں جن امور کا دخل ہے' ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس ماحول کو مدنظر رکھا جائے جس میں غلطی کا صدور ہوا ہے۔ مثلاً اس ماحول میں اکثر لوگ سنت پر عمل کرنے والے ہیں' یا بدعت کا رواج ہے۔ اور اسی طرح یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ اس ماحول میں وہ غلطی کتنی عام ہے' یا اس کے جواز کا فتویٰ دینے والا کوئی نام نہاد یا قسابل عالم تو موجود نہیں جس کے علم پر اس غلطی کا ارتکاب کرنے والا اعتماد کرتا ہو۔

۸) غلطی کرنے والے کی خیر خواہی' تنبیہہ کرنے سے رکاوٹ نہیں بن سکتی:

حضرت عمرو بن یحییٰؒ سے روایت ہے' انہوں نے فرمایا : میں نے اپنے والد سے سنا' وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا : ہم لوگ صبح کی نماز سے پہلے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ڈیوڑھی پر (انتظار میں) بیٹھ جایا کرتے تھے۔ جب وہ گھر سے باہر تشریف لاتے تو ہم ان کے ساتھ مسجد میں جاتے۔ (ایک دن) ہمارے پاس حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور فرمایا : کیا ابھی تک ابو عبدالرحمٰن (ابن مسعودؓ) باہر نہیں آئے؟ ہم نے کہا : جی نہیں۔ وہ بھی ہمارے ساتھ بیٹھ گئے حتیٰ کہ وہ باہر تشریف لے آئے۔ جب وہ آئے تو ہم سب اکٹھے ہی اٹھ کر ان کے پاس پہنچ گئے۔ ابو موسیٰؓ نے کہا : ابو عبدالرحمٰن! میں نے ابھی ابھی مسجد میں ایک کام دیکھا ہے جو مجھے عجیب سا محسوس ہوا ہے' ویسے الحمدللہ میں نے اچھی چیز ہی دیکھی ہے۔ ابن مسعودؓ نے کہا : وہ کام کیا ہے؟ انہوں نے کہا' زندگی رہی تو (مستقبل میں) آپ بھی دیکھ لیں گے۔ پھر فرمایا : میں نے مسجد میں کچھ لوگ نماز کے انتظار میں حلقے بنا کر بیٹھے دیکھے ہیں' ان کے سامنے کنکریاں پڑی ہیں' ہر حلقہ میں ایک آدمی ہے' وہ کہتا ہے : سو بار اللہ اکبر پڑھو' وہ سو بار اللہ اکبر کہتے ہیں۔ پھر کہتا ہے : سو بار لا الہ الا اللہ کہو' وہ سو بار لا الہ الا اللہ کہتے ہیں۔ پھر کہتا ہے

: سوبار سبحان اللہ کہو' وہ سوبار سبحان اللہ کہتے ہیں (اسی طرح ذکر میں مشغول ہیں)۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا : پھر آپ نے انہیں کیا کہا؟ انہوں نے کہا : میں نے کچھ نہیں کہا' بلکہ آپ کی رائے اور حکم کا انتظار کیا۔ انہوں نے فرمایا : آپ نے انہیں یہ حکم کیوں نہ دیا کہ وہ اپنے گناہ شمار کریں' اور انہیں یہ ضمانت کیوں نہ دی کہ ان کی کوئی نیکی ضائع نہیں ہوگی؟

اس کے بعد وہ (مسجد کی طرف) چل پڑے۔ ہم لوگ بھی آپ کے ساتھ چلے۔ حتیٰ کہ آپ ان حلقوں میں سے ایک حلقے کے پاس جا کھڑے ہوئے اور فرمایا : میں تمہیں یہ کیا کرتے دیکھ رہا ہوں؟ انہوں نے کہا : اے ابو عبدالرحمٰن! یہ کنکریاں ہیں' ہم ان کے ساتھ گن کر تکبیر' تہلیل اور تسبیح کرتے ہیں۔ ابن مسعودؓ نے فرمایا : "اپنے گناہ شمار کرو' میں ضمانت دیتا ہوں کہ تمہاری کوئی نیکی ضائع نہیں ہوگی۔ اے محمد ﷺ کی امت! تم پر افسوس ہے' کتنی جلدی تم ہلاکت کے راستے پر چل پڑے ہو' ابھی تو تمہارے نبی ﷺ کے صحابہ بکثرت موجود ہیں' ابھی تو آنحضرت ﷺ کے کپڑے بھی نہیں پھٹے' ابھی تو آنحضرت ﷺ کے برتن بھی نہیں ٹوٹے۔ قسم ہے اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے' یا تو تم محمد ﷺ کے راستے سے بھی زیادہ ہدایت والے راستے پر ہو' یا گمراہی کا دروازہ کھول رہے ہو"۔ انہوں نے کہا : ابو عبدالرحمٰن! اللہ کی قسم ہمارا ارادہ تو صرف نیکی کا ہے۔ فرمایا : "بہت سے لوگ نیکی کا ارادہ رکھتے ہیں لیکن انہیں نیکی تک پہنچنا نصیب نہیں ہوتا۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے ہمیں یہ بتایا تھا کہ کچھ لوگ ہوں گے جو قرآن پڑھیں گے لیکن قرآن ان کے حلق سے آگے نہیں جائے گا (دل پر قرآن کا کوئی اثر نہیں ہوگا)۔ اللہ کی قسم! معلوم نہیں شاید ان میں سے اکثر تم لوگ ہی ہو"۔ یہ کہہ کر ان کے پاس سے چلے آئے۔ حضرت عمرو بن سلمہؓ نے فرمایا : ہم نے جنگ نہروان میں دیکھا کہ ذکر کے وہ حلقے قائم کرنے والوں میں سے اکثر افراد خارجیوں کے ساتھ مل کر ہمارے خلاف لڑ رہے تھے"۔ (۲۲)

۹) غلطی پر تنبیہہ کرنے میں انصاف اور غیر جانبداری کا خیال رکھنا :

اللہ تعالیٰ نے فرمایا : ﴿واذا قلتم فاعدلوا﴾۔ "جب تم بات کرو تو انصاف کرو"۔

اور فرمایا : ﴿وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ﴾ "جب تم لوگوں میں فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو"۔

حضرت اسامہ بن زید (رضی اللہ عنہما) وہ شخصیت ہیں جن سے جناب رسول اللہ ﷺ کو بہت محبت تھی اور ان کے والد سے بھی بہت محبت تھی۔ لیکن اس کے باوجود جب انہوں نے اللہ کی مقرر کردہ حدود میں سے ایک حد کے بارے میں سفارش کرنے کی کوشش کی تو جناب رسول اللہ ﷺ نے انہیں سختی سے تنبیہہ فرمائی۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں فتح مکہ کے ایام میں جس عورت نے چوری کی تھی' اس کے بارے میں خاندان قریش کے افراد کو بہت فکر ہوئی (کہ اب اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا)۔ انہوں نے کہا : اس کے بارے میں جناب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں کون عرض کرے گا؟ تب انہوں نے کہا : یہ جرأت تو صرف اسامہ بن زید (رضی اللہ عنہما) ہی کر سکتے ہیں جو رسول اللہ ﷺ کو بہت پیارے ہیں۔ جب اس خاتون کو آنحضرت ﷺ کے سامنے پیش کیا گیا تو حضرت اسامہ بن زید (رضی اللہ عنہما) نے اس کے بارے میں عرض کیا۔ اس پر جناب رسول اللہ ﷺ کے چہرہ مبارک کا رنگ (غصے کی وجہ سے) متغیر ہو گیا۔ اور فرمایا : "کیا تو اللہ کی حدود میں سے ایک حد کے بارے میں شفاعت کرتا ہے؟" اسامہ رضی اللہ عنہ نے (اپنی غلطی کا احساس کرتے ہوئے) عرض کیا : یا رسول اللہ! میرے لئے اللہ سے مغفرت کی دعا فرمایئے۔

شام کو جناب رسول اللہ ﷺ نے کھڑے ہو کر خطبہ دیا۔ پہلے اللہ کی شایان شان تعریف فرمائی۔ پھر ارشاد فرمایا :

((اَمَّا بَعْدُ ' فَاِنَّمَا اَهْلَكَ الَّذِين مِن قَبلِكم اِنَّهُم كَانُوا اِذا سَرَقَ فِيهِمُ الشَّرِيفُ تَرَكُوهُ وَاذا سَرق فِيهِمُ الضَّعِيفُ اَقَامُوا عَلَيهِ الحدَّ ' وَاِنِّي وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَوْ اَنَّ فاطمةَ بنتَ مُحَمَّدٍ سَرَقَتْ لَقَطَعْتُ يَدَهَا))

"اللہ کی حمد و ثنا کے بعد واضح ہو کہ تم سے پہلے لوگ اسی وجہ سے تباہ ہوئے کہ ان میں جب کوئی اونچا آدمی چوری کرتا تھا تو اسے چھوڑ دیتے تھے' اور جب کوئی

کمزور آدمی چوری کر لیتا تھا تو اس پر حد نافذ کر دیتے تھے۔ مجھے اُس ذات کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں میری جان ہے' اگر محمدؐ کی بیٹی فاطمہ (رضی اللہ عنہا) بھی چوری کرتی تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیتا۔"

پھر اس چوری کرنے والی عورت کے بارے میں حکم دیا تو اس کا ہاتھ کاٹ دیا گیا۔ (۲۳)

نسائی کی روایت کے مطابق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا : ایک عورت نے معروف لوگوں کے نام لے کر کچھ زیور عاریت کے طور پر حاصل کئے' وہ خود غیر معروف تھی۔ اس نے وہ زیور بیچ کر رقم حاصل کر لی۔ اسے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ اس کے گھر والوں نے حضرت اسامہ بن زید (رضی اللہ عنہما) سے رابطہ کیا۔ حضرت اسامہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے بات کی تو آنحضرت ﷺ کے چہرہ مبارک کا رنگ بدل گیا اور آپؐ نے فرمایا : "کیا تو اللہ کی حدوں میں سے ایک حد کے بارے میں سفارش کرتا ہے؟ اسامہؓ نے عرض کیا : اللہ کے رسول! میرے لئے بخشش کی دعا کیجئے۔ اسی شام کو رسول اللہ ﷺ نے کھڑے ہو کر اللہ کی حمد و ثنا بیان فرمائی جس طرح اس کی شان کے لائق ہے۔ پھر فرمایا :

((امَّا بعدُ ' فانَّما هلَكَ النّاسُ قَبلَكم اَنَّهم كانُوا اذا سرَقَ الشَّريفُ فيهم ترَكُوهُ وَاذا سَرَقَ الضَّعيفُ فيهم اَقَامُوا عَليه الحَدَّ ' وَالَّذِى نَفْسِى بِيَدِهٖ لَوْ اَنَّ فاطمةَ بنتَ مُحَمَّدٍ سَرَقَتْ لَقَطَعْتُ يَدَهَا))

"اما بعد' تم سے پہلے لوگ اس لئے ہلاک ہوئے کہ ان میں جب کوئی اونچا آدمی چوری کرتا تو اسے چھوڑ دیتے تھے اور جب کوئی کمزور آدمی چوری کرتا تو اس پر حد نافذ کر دیتے تھے۔ قسم ہے اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے' اگر محمد (ﷺ) کی بیٹی فاطمہؓ بھی چوری کرتی تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیتا"۔

اس کے بعد اس عورت کا ہاتھ کاٹ دیا گیا۔ (۲۴)

حضرت اسامہؓ کے ساتھ آنحضرت ﷺ کے رویہ سے آپؐ کا عدل و انصاف ظاہر ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی نظر میں شریعت انسانوں کی محبت سے بالاتر مقام کی حامل تھی اور اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ انسان اس شخص کو تو معاف کر سکتا ہے جس کی غلطی کا تعلق اس کی ذات سے ہو' لیکن جس کی غلطی کا تعلق

شریعت کے احکام سے ہو، اسے نہ معاف کر سکتا ہے، نہ اس سے نرمی کر سکتا ہے۔

بعض لوگ اپنے دوست یا رشتہ دار کی غلطی پر اس شدت سے تنقید نہیں کرتے جس طرح کسی اجنبی کی غلطی پر کرتے ہیں، اور بعض اوقات اس بنیاد پر معاملات میں واضح طور پر خلاف شریعت حد تک جانبداری اور امتیاز نظر آتا ہے، بلکہ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ آدمی اپنے دوست کی غلطی کو نظرانداز کر دیتا ہے، جب کہ دوسرے کی غلطی پر سخت رویہ اپناتا ہے۔ کسی شاعر نے کہا ہے :

وَعَيْنُ الرِّضَا عَنْ كُلِّ عَيْبٍ كَلِيْلَةٌ
وَلٰكِنَّ عَيْنَ السُّخْطِ تُبْدِي الْمَسَاوِيَا

"خوشنودی کی آنکھ کو کوئی عیب نظر نہیں آتا، لیکن ناراضگی کی آنکھ برائیاں ہی ظاہر کرتی ہے"۔

یہی کیفیت اس موقعہ پر نظر آتی ہے جب ہم دوسروں کے کسی عمل کا مقام متعین کرتے ہیں۔ مثلاً ایک شخص جس سے ہمیں محبت ہے، اس سے ایک فعل سرزد ہوتا ہے تو ہم اس کا ایک اچھا محمل تلاش کر لیتے ہیں، اور وہی فعل کسی اور سے سرزد ہوتا ہے تو ہم اسے کسی اور چیز پر محمول کر لیتے ہیں۔

مذکورہ بالا تمام باتیں اس صورت میں ہیں جب حالات ایک جیسے ہوں، ورنہ بعض دوسرے امور کے پیش نظر بظاہر ایک جیسے دو معاملوں میں مختلف طرز عمل اختیار کیا جا سکتا ہے، جیسے کہ آئندہ سطور میں بیان ہوگا۔

۱۰) ایک غلطی کی اصلاح کے نتیجہ میں اس سے بڑی غلطی وجود میں نہ آجائے:

شریعت کا یہ قاعدہ معروف ہے کہ بڑی برائی کو دور کرنے کے لئے چھوٹی برائی کو برداشت کرنا پڑتا ہے۔ اس لئے اصلاح کرنے والے کو بعض اوقات ایک غلطی پر خاموشی اختیار کرنا پڑتی ہے تاکہ اس سے بڑی غلطی کا ارتکاب نہ ہو جائے۔

نبی اکرم ﷺ کو یقینی طور پر معلوم تھا کہ منافق کفر پر قائم ہیں، اس کے باوجود آپؐ خاموش رہے، اور ان کی طرف سے دی جانے والی تکلیفوں پر صبر کرتے رہے، تاکہ لوگ

یہ نہ سمجھیں کہ محمد ﷺ اپنے ہی ساتھیوں کو قتل کر دیتے ہیں اور خاص طور پر اس لئے بھی حضور علیہ السلام خاموش رہے کہ عام لوگ ان منافقین کی حقیقت سے واقف نہیں تھے۔ اسی طرح آنحضرت ﷺ نے کعبہ شریف کو ابراہیم علیہ السلام کی مقرر کردہ بنیادوں پر تعمیر کرنے کے لئے اسے گرانے سے صرف اس لئے اجتناب کیا کہ قریش کے اکثر لوگ حال ہی میں اسلام میں داخل ہوئے تھے اور آنحضرت ﷺ نے یہ خطرہ محسوس کیا کہ ان کی سمجھ میں اس کی حکمت نہیں آئے گی۔ اس لئے عمارت کو اسی طرح رہنے دیا' حالانکہ وہ اصل ابراہیمی تعمیر سے رقبہ میں کم تھی' اس کا دروازہ بھی اونچا بنا دیا گیا تھا اور عام لوگ کعبہ میں داخل نہیں ہو سکتے تھے۔ یہ سب امور ایسے تھے جیسے نہیں ہونے چاہئیں تھے۔ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے باطل معبودوں کو برا بھلا کہنے سے منع فرما دیا تھا ـــــ حالانکہ یہ ایک نیک کام ہے ـــــ کیونکہ اس کے نتیجے میں مشرکین اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کرتے تھے' جو سب سے بڑی برائی ہے۔

بعض اوقات داعی ایک برائی کو دیکھ کر خاموش ہو جاتا ہے' یا اس پر تنقید کو وقتی طور پر مؤخر کر دیتا ہے' یا اس سے منع کرنے کا طریق کار تبدیل کر دیتا ہے' کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ اس طرح ایک بڑی غلطی یا گناہ کا سدباب ہو سکتا ہے۔ اس اقدام کو کوتاہی یا پسپائی کا نام نہیں دیا جا سکتا' بشرطیکہ اس کی نیت درست ہو اور اس کے دل میں کسی کی ملامت کا خوف نہ ہو' اور وہ بزدلی کی وجہ سے نہیں بلکہ دین کی مصلحت کے لئے اس سے رکا ہو۔

یہ بات قابل توجہ ہے کہ ایک غلطی سے منع کرتے ہوئے اس سے بڑی غلطی کے ارتکاب کی ایک وجہ ایسا جوش بھی ہے جس کے ساتھ حکمت کو مدنظر نہ رکھا گیا ہو۔

۱۱) غلطی کرنے والے کی فطری کمزوری کا احساس :

بعض غلطیاں ایسی ہوتی ہیں جن کو مکمل طور پر ختم کرنا ممکن نہیں ہوتا' کیونکہ ان کا تعلق کسی فطری معاملہ سے ہوتا ہے' البتہ ان غلطیوں کو کم یا ہلکا کیا جا سکتا ہے' کیونکہ زیادہ باریک بینی کے نتیجے میں کوئی حادثہ بھی پیش آ سکتا ہے' جیسے کہ عورت کا معاملہ ہے' جس کے بارے میں ارشاد نبویؐ ہے :

((اِنَّ المَراۃَ خُلِقَتْ مِن ضِلَعٍ ' لَنْ تَستقیمَ لكَ علٰی طریقةٍ ' فَاِنِ اسْتَمْتَعْتَ بِهَا اسْتَمْتَعْتَ بِهَا وَبِهَا عِوَجٌ ' وَاِنْ ذَهَبْتَ تُقِیمهَا كَسرتَهَا ' وَكَسْرُهَا طَلاَقُهَا)) (۲۵)

"عورت پسلی سے پیدا ہوئی ہے' وہ کسی طرح بھی (مکمل طور پر) سیدھی نہیں ہو سکتی۔ اگر تو اس سے فائدہ اٹھانا چاہے تو اس کجی کی موجودگی میں ہی فائدہ اٹھا سکتا ہے اور اگر تو اسے سیدھا کرنے لگے گا تو اسے توڑ بیٹھے گا۔ اس کے ٹوٹنے سے مراد طلاق ہے۔"

ایک دوسری روایت میں ہے :

((اِسْتَوْصُوا بِالنِّسَاءِ خَیرًا ' فَاِنَّهُنَّ خُلِقْنَ مِن ضِلَعٍ ' وَاِنَّ اَعْوَجَ شَیءٍ فِی الضِّلَعِ اَعْلاَهُ ' فَاِنْ ذَهَبْتَ تُقِیمُهُ كَسَرْتَهُ ' وَاِنْ تَرَكْتَهُ لَمْ یَزَلْ اَعْوَجَ ' فَاسْتَوْصُوا بِالنِّسَاءِ خَیرًا)) (۲۶)

"میں تم کو وصیت کرتا ہوں کہ عورتوں سے بھلائی کرتے رہنا' کیونکہ عورتوں کی پیدائش پسلی سے ہوئی ہے' اور پسلی اوپر کی طرف سے زیادہ ٹیڑھی ہوتی ہے۔ اگر تو اس کو سیدھا کرنا چاہے گا تو اسے توڑ ڈالے گا' اور اگر رہنے دے گا تو ٹیڑھی ہی رہے گی۔ میں تم کو وصیت کرتا ہوں کہ عورتوں سے بھلائی کرتے رہنا۔"

امام ابن حجرؒ نے فرمایا : "فرمان نبویؐ "عورتوں سے بھلائی کرتے رہنا" میں یہ اشارہ ہے کہ نرمی سے سیدھا کیا جائے' اس میں نہ تو اتنی شدت برتی جائے کہ ٹوٹنے (طلاق) تک نوبت پہنچ جائے' نہ اسے ویسے ہی رہنے دے کہ وہ ہمیشہ ٹیڑھی رہے.... اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب وہ اپنے فطری نقص سے زیادہ ٹیڑھی ہو جائے یعنی کسی گناہ کا ارتکاب کرے یا کسی فرض کو ترک کرے تو اُسے اتنی کجی کی حامل نہیں رہنے دینا چاہئے۔ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جائز کاموں میں اس کی کجی برداشت کرے۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ تالیف قلب کے لئے لوگوں سے نرمی کا سلوک کرنا چاہئے۔ اس میں عورتوں سے بہتر سلوک کی ہدایت بھی ہے کہ ان کی غلطیوں کو معاف کیا جائے اور ان کی کجی پر صبر کیا جائے' اور جو شخص انہیں بالکل سیدھا کرنے کی کوشش کرے گا وہ ان سے

فائدہ اٹھانے سے محروم ہو جائے گا' حالانکہ انسان کو ایک عورت کی ضرورت بہرحال ہوتی ہے' تاکہ اس سے تسکین حاصل ہو اور زندگی بسر کرنے میں اس کی مدد حاصل رہے۔ گویا کہ آنحضرت ﷺ یوں فرمارہے ہیں : اس نے فائدہ صرف اسی صورت میں اٹھایا جاسکتا ہے جب اس کی کوتاہیوں پر صبر کیا جائے"۔(۲۷)

۱۲) دین کی مخالفت اور کسی کی ذات پر حملہ میں فرق ہے :

چونکہ ہماری نظر میں ہمارے دین کی قدر و قیمت ہماری ذات اور شخصیت کی قیمت سے کہیں بڑھ کر ہے' اس لئے ہمارا فرض ہے کہ ہم دین کی حمایت و دفاع میں اپنی شخصیت کے دفاع کی نسبت زیادہ غیرت کا مظاہرہ کریں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ جب ایک شخص کو گالی دی جاتی ہے تو اسے غصہ آتا ہے لیکن جب دین کی توہین یا مخالفت کی جاتی ہے تو اسے یا تو غصہ آتا ہی نہیں' یا وہ جواب دیتا بھی ہے تو بڑے کمزور لہجے میں شرماتے اور جھجکتے ہوئے بات کرتا ہے۔ یہ دینی غیرت کی کمزوری کی دلیل ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ تھی کہ آپؐ اپنی ذات اقدس سے متعلق دوسروں کی غلطیوں سے اکثر چشم پوشی فرماتے تھے' خصوصاً جاہل بدوؤں کی تالیف قلب کے لئے ان کی نامناسب حرکتیں معاف فرمادیتے تھے۔ صحیح بخاری میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' انہوں فرمایا : "میں جناب رسول اللہ ﷺ کے ساتھ چلا جارہا تھا' آنحضرت ﷺ نے موٹے کنارے والی نجرانی چادر اوڑھ رکھی تھی۔ ایک بدو پیچھے سے آیا اور آپؐ کی چادر مبارک پکڑ کر اسے زور سے کھینچا۔ میں نے دیکھا کہ اس کے زور سے کھینچنے کی وجہ سے آنحضرت ﷺ کی گردن مبارک پر چادر کے کنارہ کی رگڑ سے نشان پڑ گیا۔ پھر وہ بولا : یا محمد! آپ کے پاس اللہ کا جو مال ہے' اس میں سے مجھے بھی دلوایئے۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے اس کی طرف مڑ کر دیکھا اور ہنس دیئے' پھر اسے کچھ مال دلوادیا"۔(۲۸)

البتہ اگر غلطی کا تعلق دین سے ہوتا تو نبی اکرم ﷺ اللہ کی خاطر غضب ظاہر فرماتے تھے۔ اس کی مثالیں آگے آئیں گی۔

پیش نظر رکھے جانے والے بعض دیگر امور :

غلطیوں کے بارے میں ہمارے رویہ میں کچھ اور چیزوں کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے۔ مثلاً :

○ بڑی غلطی اور چھوٹی غلطی میں امتیاز کریں۔ خود شریعت نے بھی کبیرہ گناہوں اور صغیرہ گناہوں کو ایک درجہ میں نہیں رکھا۔

○ گناہ کے عادی شخص اور شاندار ماضی والے ایسے انسان کے درمیان فرق ہوتا ہے جس کی غلطی اس کی عظیم نیکیوں کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ ماضی میں کارنامے انجام دینے والے شخص کی ایسی بات کو نظرانداز کیا جاسکتا ہے جو اگر کوئی اور کرے تو نظرانداز نہیں کی جاتی۔ اس کی وضاحت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اس واقعہ سے ہوسکتی ہے۔

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا : ہم لوگ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ حج کے لئے روانہ ہوئے۔ جب ہم مقام "عرج" پر پہنچے' تو رسول اللہ ﷺ نے پڑاؤ ڈالا۔ ہم بھی سواریوں سے اتر آئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جناب رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھی تھیں۔ میں اپنے والد محترم رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھ گئی۔ جناب رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر صدیقؓ دونوں کا سامان ایک ہی اونٹ پر تھا' جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ایک غلام کی ذمہ داری میں تھا۔ حضرت ابوبکرؓ بیٹھ کر اس کے آنے کا انتظار کرنے لگے۔ (کچھ دیر بعد) غلام آپہنچا لیکن اونٹ اس کے ساتھ نہیں تھا۔ ابوبکرؓ نے فرمایا : "تمہارا اونٹ کہاں ہے؟" اس نے کہا : "وہ تو رات کو گم ہوگیا"۔ ابوبکرؓ نے غلام سے فرمایا : "ایک اونٹ بھی تجھ سے گم ہوگیا؟" اور اسے مارنے لگے۔ رسول اللہ ﷺ نے تبسم فرمایا' اور ارشاد فرمایا : "ان احرام والے (حاجی صاحب) کو دیکھو' کیا کر رہے ہیں؟" ابن ابی رزمہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا : "جناب رسول اللہ ﷺ صرف یہی بات فرماتے رہے : "دیکھو یہ حاجی صاحب کیا کر رہے ہیں" اور مسکراتے رہے۔[۲۹]

○ بار بار غلطی کرنے والے اور پہلی بار غلطی کرنے والے میں فرق ملحوظ رکھا جائے۔

○ یکے بعد دیگرے غلطی کا ارتکاب کرنے والے میں اور طویل عرصہ بعد دوبارہ غلطی کرنے والے میں فرق کا خیال کیا جائے۔

○ سرعام غلطی کرنے والے اور چھپ کر وہی غلطی کرنے والے میں فرق مدنظر رکھا جائے۔

○ جس شخص کا ایمان کمزور ہو اور اس کی تالیف قلب کی ضرورت ہو' اس پر سختی نہ کی جائے۔

○ غلطی کرنے والے کے مقام و مرتبہ کو پیش نظر رکھا جائے۔

ان امور کو ملحوظ خاطر رکھنا اس عدل کے منافی نہیں جس کا کچھ پہلے ذکر ہوا۔

○ بچے کو غلطی پر تنبیہہ کرتے وقت اس کی عمر کا خیال رکھا جائے۔

صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت حسن بن علی (رضی اللہ عنہما) نے صدقہ کی کھجوروں میں سے ایک کھجور لے کر منہ میں ڈال لی تو نبی ﷺ نے فرمایا : "تھو' تھو' تجھے معلوم نہیں کہ ہم لوگ صدقہ نہیں کھایا کرتے"۔(۳۰)

طبرانیؒ نے جناب رسول اللہ ﷺ کی سوتیلی بیٹی حضرت زینب بنت ابی سلمہ (رضی اللہ عنہما) سے روایت بیان کی ہے کہ آنحضرت ﷺ غسل فرما رہے تھے کہ وہ اندر چلی گئیں۔ وہ فرماتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے چلو بھر پانی لے کر میرے چہرے پر پھینکا اور فرمایا : "اری' پیچھے رہ!"(۳۱)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ غلطی کرنے والے کا بچہ ہونا اس کی غلطی کی اصلاح سے مانع نہیں' بلکہ یہ اس کی تربیت کا ایک جزو ہے' کیونکہ بچپن میں سنی ہوئی بات اس کے ذہن میں نقش ہو جاتی ہے اور مستقبل میں محفوظ رہتی ہے۔ مذکورہ بالا مثالوں میں پہلی حدیث میں یہ سبق ہے کہ بچے کو تقویٰ کی تعلیم دینی چاہئے اور دوسری حدیث میں یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ بچے کو اجازت لے کر اندر آنے کی عادت ڈالی جائے اور سکھایا جائے کہ چھپانے کے قابل چیزوں کو نہیں دیکھنا چاہئے۔

اس سلسلہ کی ایک خوبصورت مثال چھوٹے بچے حضرت عمر بن ابی سلمہؓ (حضرت زینب بنت ابی سلمہ رضی اللہ عنہا کے بھائی) کی ہے' وہ فرماتے ہیں : میں جناب رسول اللہ ﷺ کی کفالت میں تھا۔ (ایک بار آنحضرت ﷺ کے ساتھ کھانا کھانے کے دوران) میرا ہاتھ برتن میں گردش کر رہا تھا (کبھی کہیں سے لقمہ لے لیا' کبھی کہیں سے)' جناب رسول اللہ ﷺ نے مجھے فرمایا : ((يَا غُلَامُ سَمِّ اللّٰهَ وَكُلْ بِيَمِينِكَ وَكُلْ مِمَّا يَلِيكَ)) "لڑکے! اللہ کا نام لو' سیدھے ہاتھ سے کھاؤ' اور اپنے قریب سے کھاؤ"۔ صحابیؓ فرماتے ہیں : اس کے بعد سے میں ہمیشہ اسی طرح کھانا کھاتا ہوں"۔ (۳۲)

○ اجنبی عورتوں کو غلطی پر ٹوکنے میں احتیاط سے کام لیا جائے' تاکہ اس روک ٹوک کا کوئی غلط مطلب نہ لیا جائے' اور انسان فتنہ میں پڑنے سے محفوظ رہے۔ اس لئے جوان لڑکے کو ڈھیل نہ دی جائے کہ جوان لڑکی سے بات چیت کرے اور غلطی کی وضاحت' برائی سے ممانعت اور مسئلہ کی تعلیم کا بہانہ بنالے۔ کیونکہ یہ عمل بہت سے مصائب کا پیش خیمہ ہو سکتا ہے۔ اس میدان میں زیادہ کردار ان اداروں کے افراد کو ادا کرنا چاہئے جن پر برائیوں کی روک تھام کی ذمہ داری ڈالی گئی ہے' اور معمر بزرگوں کو ان سے تعاون کرنا چاہئے۔ نیکی کی دعوت دینے اور برائی سے منع کرنے والے کو چاہئے کہ عورتوں سے بات کرنے میں وہ اسلوب اختیار کرے جس کے مفید ہونے کا زیادہ امکان ہو۔ اگر اس کا غالب گمان یہ ہو کہ بات کرنے سے فائدہ ہو گا تو بات کرے' ورنہ خاموش رہے۔ ایسا نہ ہو کہ کوئی بدتمیز اپنی غلطی پر اصرار کرتے ہوئے روکنے والے پر کوئی نازیبا الزام لگادے۔

برائی سے منع کرنے اور تبلیغ کے عمل میں معاشرے کا حال اور منع کرنے والے کا مقام اہم کردار ادا کرتا ہے۔ یہ واقعہ پڑھئے :

ابو رُھمؓ کے آزاد کردہ غلام حضرت عبیدؒ سے روایت ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو ایک عورت مسجد کی طرف جاتی نظر آئی جس نے خوشبو لگا رکھی تھی۔ آپؓ نے فرمایا : "جبار کی بندی! کدھر جا رہی ہے؟" وہ بولی : "مسجد میں جا رہی ہوں۔" فرمایا : کیا اسی لئے خوشبو لگائی ہے؟" اس نے کہا : "جی ہاں۔" حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا : "میں نے

رسول اللہ ﷺ سے یہ ارشاد مبارک سنا ہے : ((اَیُّمَا امْرَاۃٍ تَطَیَّبَتْ ثُمَّ خَرَجَتْ اِلَی الْمَسْجِدِ لَمْ تُقْبَلْ لَھَا صَلاۃٌ حَتّٰی تَغْتَسِلَ)) "جو عورت خوشبو لگا کر مسجد کی طرف چلے اس کی نماز قبول نہیں ہوتی' حتیٰ کہ غسل کرے"۔ (۳۳)

صحیح ابن خزیمہ میں یہ واقعہ ان الفاظ میں بیان ہوا ہے: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس سے ایک عورت گزری' اور اس کی خوشبو مہک رہی تھی۔ آپؓ نے اس سے فرمایا : "جبار کی بندی! کہاں جا رہی ہو؟" اس نے کہا: "مسجد میں"۔ فرمایا: "خوشبو لگا رکھی ہے؟" اس نے کہا: "جی ہاں"۔ فرمایا: "واپس جا کر غسل کرو' میں نے جناب رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا : "اللہ تعالیٰ اس عورت کی نماز قبول نہیں کرتا جو مسجد کی طرف اس حال میں جائے کہ اس کی خوشبو مہک رہی ہو' حتیٰ کہ واپس جا کر نہالے (تاکہ خوشبو کا اثر ختم ہو جائے)"۔ (۳۴)

- غلطی کے اثرات مٹانے کی کوشش کرنے کی بجائے اصل غلطی اور اس کے سبب کو دور کیا جائے۔
- غلطی کو مبالغہ کے ساتھ بڑھا چڑھا کر پیش نہ کریں۔
- غلطی کو ثابت کرنے میں تکلف سے کام نہ لیں اور یہ کوشش نہ کریں کہ غلطی کرنے والا اپنی زبان سے اپنی غلطی تسلیم کرے۔
- غلطی کی اصلاح کے لئے مناسب حد تک وقت دیں۔ خاص طور پر ایسے شخص کو اصلاح کا کافی موقع دیں جو طویل عرصہ تک اس غلطی کا عادی رہا ہے۔ ساتھ ہی اسے وقتاً فوقتاً تنبیہہ کرتے رہیں اور دیکھیں کہ کس حد تک اصلاح ہو رہی ہے۔
- غلطی کرنے والے کو یہ احساس نہ پیدا ہونے دیں کہ آپ اسے اپنا مخالف سمجھتے ہیں۔ یہ امر پیش نظر رکھیں کہ اپنے موقف کی تائید حاصل کر لینے سے زیادہ اہمیت اس بات کو حاصل ہے کہ ایک شخص آپ کا ساتھی بن جائے۔

اس مقدمہ کے بعد اب کچھ ذرائع اور طریقے پیش خدمت ہیں' جو نبی اکرم ﷺ نے لوگوں کی غلطیوں کے بارے میں اختیار فرمائے' جیسا کہ علمائے کرام کی روایت کردہ صحیح احادیث میں مذکور ہیں۔

(جاری ہے)

حواشی

(۱۵) مسند احمد - دیکھئے الفتح الربانی ۱۴/ ۲۴۴'۲۴۵- سنن ترمذی حدیث نمبر ۲۷۹۸ طبع شاکر- سنن ابی داؤد' کتاب الادب' حدیث نمبر ۵۰۴۰- طبع دعاس- صحیح الجامع' حدیث نمبر ۲۲۷۰-۲۲۷۱-

(۱۶) اس سے ملتی جلتی مثال غلطی کرنے والے کو پیٹنا یا اسے کنکری مارنا ہے- بعض صحابہؓ اور تابعینؒ نے ایسا کیا ہے- ان سب کا دارومدار تنبیہہ کرنے والے کے مقام و مرتبہ پر ہے- یہاں چند مثالیں ذکر کی جاتی ہیں :

حضرت سلیمان بن یسارؒ سے روایت ہے کہ مدینہ میں ایک آدمی آیا- اس کا نام صَبِیغ تھا- وہ قرآن مجید کی متشابہ آیات کے بارے میں سوالات کرنے لگا- حضرت عمرؓ نے کھجور کی چھڑیاں منگوائیں اور اس شخص کو طلب فرمالیا- آپؓ نے فرمایا : تو کون ہے؟ اس نے کہا : میں اللہ کا بندہ صَبِیغ ہوں- حضرت عمرؓ نے ایک چھڑی لے کر اسے پیٹا اور فرمایا : میں اللہ کا بندہ عمر ہوں- آپؓ نے اسے اتنا پیٹا کہ اس کے سر سے خون نکل آیا- تب اس نے کہا: امیر المومنین! بس کریں' میرے سر کی بیماری دور ہو گئی ہے- (سنن دارمی' تحقیق عبداللہ بن ہاشم یمانی ۱/ ۵۱- حدیث نمبر ۱۴۶)

حضرت ابن ابی لیلیٰؒ سے روایت ہے' انہوں نے فرمایا : حضرت حذیفہؓ مدائن میں تھے- آپؓ نے پانی طلب فرمایا- ایک کسان چاندی کے برتن میں پانی لے آیا- آپؓ نے پیالہ اس کے منہ پر دے مارا- ابن ابی لیلیٰ فرماتے ہیں: ہم نے ایک دوسرے سے کہا: خاموش رہو- اگر ہم نے سوال کیا تو آپؓ ہمیں بات نہیں بتائیں گے- کچھ دیر کے بعد آپؓ نے فرمایا: جانتے ہو میں نے پیالہ اس کے منہ پر کیوں دے مارا تھا؟ ہم نے کہا: جی نہیں- فرمایا: میں نے اسے منع کیا تھا (لیکن اس نے پھر یہی حرکت کی)- اور فرمایا: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے "سونے کے برتنوں میں نہ پیا کرو"- حضرت معاذؓ سے یہی حدیث ان الفاظ میں مروی ہے: "سونے یا چاندی کے برتن میں نہ پیو' نہ باریک یا موٹا ریشم پہنو' یہ چیزیں دنیا میں ان (کافروں) کے لئے ہیں اور آخرت میں تمہارے لئے"- (مسند احمد ۵/ ۳۹۶)-

امام بخاریؒ نے روایت کیا ہے کہ حضرت سیرینؒ نے حضرت انسؓ سے

مکاتبت کی درخواست کی۔ حضرت انسؓ صاحب ثروت تھے' تاہم انہوں نے یہ درخواست قبول نہ کی۔ سیرینؒ نے حضرت عمرؓ کو جا بتایا۔ حضرت عمرؓ نے حضرت انسؓ سے فرمایا : اس سے مکاتبت کرلو۔ انسؓ نے انکار کیا' تو عمرؓ نے انہیں کوڑا مارا' اور یہ آیت پڑھی: فَكَاتِبُوهُمْ إِنْ عَلِمْتُمْ فِيهِمْ خَيْرًا۔ (اگر تمہیں ان غلاموں میں خیر نظر آئے تو ان سے مکاتبت کرلیا کرو)۔ چنانچہ انسؓ نے مکاتبت کر لی۔ (فتح الباری۔۵/ ۱۸۴)

امام نسائیؒ نے روایت کی ہے کہ حضرت ابو سعید خدریؓ نماز پڑھ رہے تھے' اچانک مروانؓ کا ایک بیٹا ان کے سامنے سے گزرنے لگا۔ انہوں نے (اشارے سے) روکا' وہ نہ رکا' انہوں نے اسے مارا۔ بچہ رونے لگا اور مروانؓ کو جاکر بتایا۔ مروانؓ نے ابو سعیدؓ سے کہا: آپ نے اپنے بھتیجے کو کیوں مارا؟ انہوں نے فرمایا: میں نے اسے نہیں مارا' میں نے شیطان کو مارا ہے۔ میں نے جناب رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے' آپؐ نے ارشاد فرمایا : "جب کوئی شخص نماز پڑھ رہا ہو اور اس کے سامنے سے کوئی انسان گزرنا چاہے تو جہاں تک ہو سکے اسے روکے' اگر نہ رکے تو اس سے لڑے' وہ شیطان ہے"۔ مجتبیٰ نسائی ۸/ ۶۱۔ صحیح سنن نسائی حدیث ۴۵۱۸)

حضرت ابو النضرؒ سے روایت ہے کہ حضرت ابو سعید خدریؓ کی ٹانگ میں تکلیف تھی۔ وہ ٹانگ پر ٹانگ رکھ کر لیٹ گئے۔ ان کے بھائی تشریف لائے' (انہیں اس طرح لیٹے دیکھا تو) ان کی دکھتی ٹانگ پر ہاتھ مارا جس سے انہیں تکلیف ہوئی۔ انہوں نے کہا : آپ نے میری ٹانگ کو تکلیف پہنچائی ہے۔ کیا آپ کو معلوم نہیں تھا کہ یہ دکھتی ہے؟ فرمایا : ہاں (معلوم تھا)۔ انہوں نے کہا : پھر آپ نے ایسا کیوں کیا؟ انہوں نے فرمایا: کیا آپ نے نہیں سنا کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے اس (طرح لیٹنے) سے منع فرمایا ہے۔ (مسند احمد ۳/ ۴۲)

حضرت ابو زبیر مکیؒ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے دوسرے سے اس کی بہن کا رشتہ مانگا۔ لڑکی کے بھائی نے (بات چیت کے دوران) ذکر کر دیا کہ لڑکی سے ناجائز تعلق کی غلطی سرزد ہو چکی ہے۔ حضرت عمرؓ کو اس واقعہ کا علم ہوا تو انہوں نے اس شخص (لڑکی کے بھائی) کو پیٹا' یا سختی سے سرزنش کی۔ اور فرمایا : تو نے یہ بات کیوں بتائی؟ (موطا امام مالک۔ حدیث ۱۵۵۳۔ روایت ابو مصعب زہری)

حضرت ابو اسحاقؒ نے فرمایا : میں بڑی مسجد میں حضرت اسود بن یزید کے ساتھ بیٹھا

ہوا تھا۔ ہمارے ساتھ امام شعبیؒ بھی تھے۔ شعبیؒ نے حضرت فاطمہ بنت قیس (رضی اللہ عنہا) والی حدیث بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے رہائش اور خرچ نہیں دلوایا تھا۔ حضرت اسود نے کچھ کنکریاں پکڑ کر شعبی کو ماریں اور فرمایا: تم یہ حدیث بیان کرتے ہو حالانکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا: ہم ایک عورت کی وجہ سے اللہ کی کتاب اور اپنے نبی کی سنت نہیں چھوڑ سکتے۔ معلوم نہیں 'اس خاتون کو واقعہ یاد بھی رہا ہے یا نہیں۔ بلکہ (تین طلاق والی) عورت کو (عدت کے دوران) رہائش اور خرچ ملے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ...﴾ (عورتوں کو گھروں سے مت نکالو' نہ وہ خود نکلیں' الا یہ کہ وہ واضح بے حیائی کی مرتکب ہوں) (صحیح مسلم حدیث نمبر ۱۴۸۰)

امام ابوداؤد نے حسن سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ دو آدمی کندہ کے دروازوں کی طرف سے آئے۔ ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ ایک حلقہ میں تشریف فرما تھے۔ ان دونوں آدمیوں نے کہا: ہے کوئی شخص جو ہمارے درمیان فیصلہ کرے؟ حلقہ میں موجود ایک شخص بولا: میں کرتا ہوں۔ حضرت ابو مسعودؓ نے ہاتھ میں کنکریاں پکڑ کر اسے دے ماریں اور فرمایا: "رک جاؤ' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس طرح جلدی سے منصف بن جانا پسند نہیں کرتے تھے"۔ (سنن ابوداؤد 'کتاب الاقضیہ' باب فی طلب القضاء والتسرع الیہ)۔

(۱۷) صحیح مسلم' حدیث نمبر ۵۳ (طبع عبدالباقی)۔

(۱۸) مسند احمد ۴/ ۲۵۳۔

(۱۹) سنن ترمذی حدیث ۱۳۲۶۔ طبع شاکر۔ ترمذی نے اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے۔

(۲۰) سنن ابی داؤد' کتاب الطہارہ' باب الجروح بتیمم۔ البانی نے اسے صحیح قرار دیا ہے اور اشارہ کیا ہے کہ آخری جملہ ضعیف ہے۔ (صحیح ابوداؤد حدیث ۳۲۵)۔

(۲۱) سنن ابی داؤد' حدیث نمبر ۳۵۷۳۔ البانی نے اسے صحیح قرار دیا ہے (ارواء الغلیل حدیث ۲۱۶۴)

(۲۲) سنن دارمی' حدیث نمبر ۲۱۰۔ تحقیق عبداللہ ہاشم یمانی۔ البانی نے سلسلہ صحیحہ میں حدیث نمبر ۲۰۰۵ کے تحت فرمایا ہے کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ نیز دیکھئے مجمع الزوائد ہیثمی ۱۸۱/۱۔

(۲۳) یہ حدیث صحیح بخاری اور صحیح مسلم دونوں میں موجود ہے۔ یہاں ذکر کردہ عبارت صحیح

مسلم کی حدیث نمبر ۱۶۸۸ کے مطابق ہے۔

(۲۴) سنن نسائی طبع دار الفکر' جلد ۸ ص ۷۳۔ البانی نے صحیح سنن النسائی میں اسے صحیح قرار دیا ہے۔ (حدیث نمبر ۴۵۴۸)

(۲۵) صحیح مسلم بروایت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ۔ حدیث نمبر ۱۴۶۸۔

(۲۶) صحیح بخاری مع فتح الباری۔ حدیث نمبر ۵۱۸۶

(۲۷) فتح الباری جلد ۹' صفحہ ۹۵۴۔

(۲۸) صحیح بخاری' مع فتح الباری' حدیث نمبر ۵۸۰۹

(۲۹) سنن ابی داؤد' کتاب المناسک' باب المحرم یودب غلامہ۔ علامہ البانی نے اسے حسن قرار دیا ہے۔ (صحیح سنن ابی داؤد۔ حدیث نمبر ۱۶۰۲)

(۳۰) صحیح بخاری مع فتح الباری' حدیث نمبر ۳۰۷۲۔

(۳۱) معجم کبیر طبرانی ۲۸۱/۲۲۔ ہیثمی نے فرمایا: اس کی سند حسن ہے (مجمع ۲۶۹/۱)۔

(۳۲) صحیح بخاری مع فتح الباری' حدیث نمبر ۵۳۷۶۔

(۳۳) سنن ابن ماجہ' حدیث نمبر ۴۰۰۲۔ صحیح ابن ماجہ ۳۶۷/۲۔

لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ

(الحج۔ آیت ۳۷)

اللہ تک تمہاری قربانیوں کا گوشت اور خون نہیں پہنچتا مگر تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے۔

قربانی ہماری معاشرتی رسم ہے یا دینی فریضہ!

عید الاضحیٰ کے مبارک موقع پر قربانی کے ساتھ

قربانی کی روح اور مقاصد کو سمجھنے کے لیے

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کی تالیف

عید الاضحیٰ اور فلسفۂ قربانی

کا مطالعہ ضرور کیجیے

• سفید کاغذ • رنگین سرورق • ۴۸ صفحات • قیمت صرف ۸ روپے

قریبی بکسٹال سے خریدیے یا ہم سے منگوائیے!

مرکزی انجمن خدام القرآن ۳۶۔ K ماڈل ٹاؤن لاہور ۱۴

شہیدِ مظلوم

حضرت عثمان ذُوالنُّورَین رضی اللہ عنہ

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کا ایک خطاب

میں چونکہ قرآن حکیم کا ایک ادنیٰ طالب علم ہوں لہٰذا میری کوشش یہ ہو گی کہ قرآن مجید اور احادیث شریفہ کی روشنی میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے چند مناقب و فضائل اور ان کی سیرت کے چند پہلو آپ کے سامنے رکھوں۔

امیرالمومنین سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضائل کے ضمن میں سب سے زیادہ مشہور و معروف بات ان کی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دامادی کی قرابت ہے جو تقریباً ہر مسلمان کو معلوم ہے۔ اگرچہ ہمارے نزدیک نسلی تعلق اور قرابت داری اصل اساسِ فضیلت نہیں ہے۔ قرآن مجید نے تو اس تصور کی کامل نفی کی ہے' چنانچہ سورۃ الحجرات میں فرمایا گیا ہے :

﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ۚ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ۚ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ۝ ﴾ (الحجرات : ۱۳)

"لوگو! ہم نے تم سب کو ایک ہی مرد اور عورت سے پیدا کیا ہے اور تمہارے (جدا جدا) خاندان اور قومیں جو بنائی ہیں تو باہم شناخت کے لئے (نہ کہ تکبر و افتخار کے لئے) بے شک تم میں سب سے زیادہ عزت دار تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہی ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔ بیشک اللہ جاننے والا اور باخبر ہے"۔

رنگ و نسل اور خون کے رشتوں کے تعلق کو' جنہیں عام طور پر دنیا میں شرف و فضیلت کی اساس سمجھا گیا ہے' قرآن مجید نے غلط قرار دیتے ہوئے رنگ و نسل کے تمام

بتوں کو توڑ ڈالا ہے اور اصل بنائے شرف و عزت اور کرامت و فضیلت صرف تقویٰ کو قرار دیا ہے۔ اسی کی تفسیر و تشریح نبی اکرم ﷺ نے اس طرح فرمائی کہ حضورؐ نے اپنے اہل خاندان کو جمع کر کے خطبہ ارشاد فرمایا اور رشتہ داری کے لحاظ سے جو لوگ قریب ترین تعلق کے حامل ہو سکتے ہیں ان کو نام بنام مخاطب فرمایا کہ :

((.... يَا عَبَّاسُ بْنَ عَبْدِالْمُطَّلِبِ لاَ اُغْنِي عَنْكَ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا ' وَيَا صَفِيَّةُ عَمَّةَ رَسُولِ اللّٰهِ (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) لاَ اُغْنِي عَنْكِ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا ' وَيَا فَاطِمَةُ بِنْتَ مُحَمَّدٍ ' سَلِينِي مَا شِئْتِ مِنْ مَالِي ' لاَ اُغْنِي عَنْكِ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا)) (متفق علیہ)

"....(اے رسول اللہ کے چچا) عباس بن عبد المطلب 'میں اللہ کے ہاں تمہارے کچھ کام نہ آسکوں گا' اور اے صفیہ 'رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی! میں اللہ کے ہاں تمہارے کچھ کام نہ آسکوں گا' اور اے محمد (ﷺ) کی بیٹی فاطمہ! تم میرے مال میں سے جو چاہو مجھ سے مانگ سکتی ہو' لیکن اللہ کے ہاں میں تمہارے کچھ کام نہ آسکوں گا"۔

یہ مضمون متعدد احادیث میں بیان ہوا ہے۔ ترمذی کی ایک روایت کے الفاظ ہیں :

((يَا فَاطِمَةُ بِنْتَ مُحَمَّدٍ (ﷺ) اَنْقِذِي نَفْسَكِ مِنَ النَّارِ ' فَاِنِّي لاَ اَمْلِكُ لَكِ مِنَ اللّٰهِ ضَرًّا وَلاَ نَفْعًا))

"اے محمد (ﷺ) کی بیٹی فاطمہ! اپنے آپ کو آگ سے بچانے کی فکر کرو۔ اس لئے کہ میں اللہ کے مقابلے میں تمہارے لئے کسی نقصان یا نفع کا اختیار نہیں رکھتا"۔

اسی طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں نسل 'نسب اور رنگ و خون کو بنائے شرف و فضیلت سمجھنے کے باطل نظریہ پر یہ ارشاد فرما کر کاری ضرب لگائی کہ :

﴿ يَا اَيُّهَا النَّاسُ ' اَلاَ اِنَّ رَبَّكُمْ وَاحِدٌ ' وَاِنَّ اَبَاكُمْ وَاحِدٌ ' اَلاَ لاَ فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلَى اَعْجَمِيٍّ ' وَلاَ لِعَجَمِيٍّ عَلَى عَرَبِيٍّ ' وَلاَ لِاَحْمَرَ

عَلٰی اَسْوَدَ ' وَلَا اَسْوَدَ عَلٰی اَحْمَرَ ' اِلَّا بِالتَّقْوٰی))

(مسند احمد' عن ابی نضرۃ)

"اے لوگو! جان لو کہ تمہارا رب ایک ہے اور تمہارا باپ بھی ایک ہی ہے! جان لو کہ کسی عربی کو کسی عجمی پر' کسی عجمی کو کسی عربی پر' کسی گورے کو کسی کالے پر' اور کسی کالے کو کسی گورے پر کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے۔ بنائے فضیلت صرف تقویٰ ہے"۔

سورۃ الحجرات کی مذکورہ آیت میں تقویٰ کو فضیلت و اکرام کی بنیاد قرار دینے کے علاوہ قرآن حکیم نے اس بات کو مختلف اسالیب سے بیان کر دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عدالت میں کوئی حسب و نسب کسی کے کام نہیں آ سکے گا' بلکہ ہر انسان کو صرف اس کے اپنے اعمال ہی اللہ کی پکڑ سے بچا سکیں گے۔ جیسا کہ سورۃ النجم میں فرمایا گیا : ﴿ وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی ○ وَاَنَّ سَعْیَهٗ سَوْفَ یُرٰی ○ ﴾ اور متعدد مقامات پر فرمایا گیا : ﴿ لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی ○ ﴾

یہود و نصاریٰ کو یہی پندار لاحق ہو گیا تھا کہ چونکہ وہ انبیاء کی اولاد ہیں اور ان کی نسل میں جلیل القدر پیغمبر مبعوث ہوئے ہیں' لہٰذا وہ اللہ تعالیٰ کے چہیتے ہیں اور اس کے بیٹوں کی مانند ہیں : ﴿ وَقَالَتِ الْیَهُوْدُ وَالنَّصٰرٰی نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ ﴾ (المائدہ : ۱۸) چنانچہ ان کے اس پندار کو قرآن مجید نے باطل قرار دیا اور فرمایا گیا : ﴿ وَاتَّقُوْا یَوْمًا لَّا تَجْزِیْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَیْئًا وَّلَا یُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ ... ﴾ (البقرہ : ۴۸) نیز ان کو متنبہ کیا گیا کہ پچھلوں کی کمائی ان کے لئے تھی اور تمہاری کمائی تمہارے لئے ہے : ﴿ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ﴾ (البقرہ : ۱۳۴ و ۱۴۱)

پس معلوم ہوا کہ از روئے قرآن مجید اصل بنائے فضیلت اور اصل بنائے شرف نسل اور خون کا رشتہ نہیں ہے بلکہ ایمان و تقویٰ ہے۔ بایں ہمہ دو باتیں انتہائی قابل غور ہیں۔ پہلی یہ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے قرابت داری اور رشتے داری کا تعلق چاہے کلی طور پر بنائے فضیلت نہ ہو لیکن مِن وَجہٍ فضیلت کی ایک بنیاد ضرور ہے۔

دوسری یہ کہ چونکہ عوام کے ذہن عموماً اِس بنائے شرف کو قبول کر لیتے ہیں' بلکہ عوام کی اکثریت کا تصور فضیلت یہی ہے' چنانچہ ہمارے یہاں ایک مکتبۂ فکر نے عوام الناس کی اس کمزوری سے فائدہ اٹھا کر اسی چیز کو بنائے شرف و فضیلت بنا کر اس کا زبردست چرچا کیا ہے۔ لہٰذا اِس نقطۂ نظر سے اگر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے قرابت داری کے پہلو کو نمایاں اور واضح کیا جائے تو کوئی حرج نہیں۔

حضورؐ سے قرابت

امر واقعہ یہ ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قرابت و رشتہ داری کے لحاظ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے تہرا رشتہ اور تعلق ہے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ خاندان کے لحاظ سے نجیب الطرفین قرشی ہیں اور پانچویں پشت میں ان کا اور حضور ﷺ کا نسبی تعلق یکجا ہو جاتا ہے۔ حضرت عثمان غنیؓ کی والدہ حضرت اروٰی بنت اُم الحکیم بنت عبدالمطلب تھیں' لہٰذا حضرت عثمان غنیؓ کی والدہ محترمہ جناب عبد المطلب کی نواسی تھیں اور نبی اکرم ﷺ عبد المطلب کے پوتے۔ گویا حضور ﷺ اور حضرت عثمان غنیؓ کی والدہ ماجدہ کے مابین پھوپھی زاد بہن اور ماموں زاد بھائی کا رشتہ ہے۔ لہٰذا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اِس نسبت سے نبی اکرم ﷺ کے بھانجے ہیں۔

شرفِ دامادی

دوسرا رشتہ سب کو معلوم ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے دوہرے داماد ہیں۔ ہجرت مدینہ سے بہت قبل حضورؐ کی دوسری صاحبزادی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی زوجیت میں آئیں۔ ہجرت کے بعد غزوۂ بدر کے متصل ہی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہو گیا تو حضورؐ کی تیسری صاحبزادی حضرت اُم کلثوم رضی اللہ عنہا' حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے حبالۂ نکاح میں آئیں۔ اِسی نسبت سے حضرت عثمان غنیؓ کا لقب "ذوالنورین" قرار پایا۔ حضور ﷺ کی سب سے چھوٹی صاحبزادی حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کا عقد نکاح حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ہو چکا تھا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضورؐ کی

دامادی کا شرف حاصل تھا۔ دامادی کے اس شرف کا ایک خاص گروہ کی طرف سے خوب چرچا کیا گیا ہے۔ اس لحاظ سے بھی بادنیٰ تامل صاف نظر آتا ہے کہ حضرت عثمان غنی کو حضرت علی ؓ کے مقابلے میں دامادی کی فضیلت دوچند اصل ہے۔

روایات میں آتا ہے کہ حضرت رقیہ ؓ کے انتقال کے بعد حضرت عثمانؓ پر انتہائی رنج و ملال طاری تھا اور افسردگی و پژمردگی ان کے چہرۂ مبارک سے ہویدا تھی۔ ایک روز اسی رنج و الم کے عالم میں حضورؐ نے پوچھا کہ "اے عثمانؓ تمہارا کیا حال ہے!" حضرت عثمانؓ نے عرض کیا : "میرے ماں باپ آپؐ پر قربان! میرے برابر اور کسی کو مصیبت نہ پہنچی ہو گی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی وفات پا گئیں اور میرے اور آپؐ کے درمیان دامادی کا رشتہ منقطع ہو گیا۔" حضور ﷺ نے فرمایا : "اے عثمانؓ! تم یہ کہہ رہے ہو اور جبریل ؑ میرے پاس موجود ہیں' اور وہ مجھے خبر دے رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اُم کلثوم ؓ کا نکاح تم سے کر دیا ہے۔" گویا حضرت عثمان غنیؓ کا اُم کلثوم ؓ سے نکاح آسمان پر پہلے ہوا اور زمین پر بعد میں ـــــ نبی اکرم ﷺ کے ساتھ یہ فضیلت صرف حضرت عثمان غنی ؓ کے نصیب میں آئی کہ جس طرح اُم المومنین حضرت زینب بنت جحش ؓ کا نکاح حضورؐ سے پہلے آسمان پر ہوا اور بعد میں زمین پر' اسی طرح کا معاملہ حضرت عثمانؓ کے ساتھ ہو چکا تھا ـــــ جب حضرت اُم کلثوم ؓ بھی وفات پا گئیں تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ اگر میری چالیس بیٹیاں ہوتیں اور وہ یکے بعد دیگرے انتقال کرتی رہتیں تو بھی میں اپنی بیٹیوں کو یکے بعد دیگرے عثمانؓ کے نکاح میں دیتا رہتا۔ روایات میں تعداد مختلف ہے لیکن سب میں یہ بات مشترک ہے کہ نبی اکرم ﷺ حضرت عثمان غنی ؓ کی دامادی اور ان کے حسن سلوک سے اس قدر راضی' خوش اور مطمئن تھے کہ یکے بعد دیگرے اپنی صاحبزادیوں کو ان کے نکاح میں دینے کے لئے تیار تھے۔

آپ جانتے ہیں کہ خسر اور داماد کا رشتہ بڑی نزاکتوں کا حامل ہوتا ہے۔ اگر کسی داماد کے سلوک سے کسی بیٹی کا باپ غیر مطمئن ہو تو وہ کسی حال میں بھی اپنی دوسری بیٹی کو اس داماد کے نکاح میں دینے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔ لیکن یہاں معاملہ یہ ہے کہ حضور

ﷺ حضرت عثمان غنیؓ کے نکاح میں یکے بعد دیگرے اپنی چالیس صاحبزادیاں دینے کے لئے تیار ہیں۔ یہ ایک ایسا شرف ہے کہ جس میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے ساتھ کوئی دوسرا شریک نہیں اور یہ اس بات کی بھی روشن دلیل ہے کہ حضرت عثمان غنیؓ حضورؐ کو کس قدر محبوب تھے۔

"ذوالنورین" کالقب

اگر دامادی کوئی وجہ شرف و فضیلت ہے اور یقیناً ایک درجے میں یہ وجہ شرف و فضیلت ہے تو اس لحاظ سے بھی حضرت عثمان غنی کو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر فوقیت حاصل ہے۔ اور اسی نسبت سے آپؓ کالقب "ذوالنورین" قرار پایا تھا۔ اس معزز لقب کے چند اور پہلو بھی ہیں جو آگے بیان ہوں گے۔

معاندین کی جسارت

شاید آپ کو معلوم ہو کہ اِس دَور میں ایک مخصوص گروہ کی طرف سے نہایت ڈھٹائی اور بے شرمی کے ساتھ تاریخ کو مسخ کرنے کی جسارت کی جارہی ہے' اور وہ یہ کہ نبی اکرم ﷺ کی صلبی صاحبزادی صرف حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا تھیں۔ بقیہ تین صاحبزادیاں حضرت زینب' حضرت رقیہ اور اُم کلثوم (رضی اللہ عنہن) حضور ﷺ کی صلبی بیٹیاں نہیں تھیں' بلکہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے کسی پہلے فوت شدہ شوہر سے تھیں اور حضورؐ کی ربیبہ تھیں ـــــ اتنا بڑا سفید جھوٹ اِس اعتماد پر گھڑا گیا ہے کہ آج سے پچاس ساٹھ سال بعد اس جھوٹ کو کسی طرح ایک تاریخی سند حاصل ہو جائے۔ چونکہ عوام الناس میں نہ شعور ہوتا ہے اور نہ ذوق تحقیق و جستجو' لہٰذا ان کے لئے پچاس ساٹھ سال پہلے کی کسی مطبوعہ کتاب کی عبارت بھی ایک سند اور دلیل کا درجہ حاصل کر سکتی ہے۔ دراصل یہ جرمنی کے ڈاکٹر گوئبلز کی خاص تکنیک ہے کہ بڑے سے بڑے جھوٹ ڈھٹائی اور بے شرمی کے ساتھ بولو اور مسلسل بولتے رہو' چند لوگ تو مغالطہ میں آکر اس جھوٹ کو سچ مان ہی لیں گے' اور بہت سے لوگ اگر تسلیم نہ بھی کریں تو کم از کم شکوک و شبہات

میں ضرور مبتلا ہو جائیں گے۔

یہ سب کچھ اس لئے کیا جا رہا ہے کہ جس گروہ نے نسلی تعلق اور قرابت ہی کو بنائے شرف و فضیلت قرار دیا ہے اور اسی پر اپنے تمام فلسفہ کی عمارت تعمیر کی اور اس کا تانا بانا اُستوار کیا ہے تو جب انہیں یہ نظر آتا ہے کہ حضورؐ سے دامادی کا تعلق اِدھر (یعنی حضرت علیؓ کی طرف) اکہرا ہے اور اُدھر (یعنی حضرت عثمانؓ کی طرف) دوہرا ہے تو انہوں نے اس بات کی بھی کوئی پرواہ نہیں کی کہ خود ان کے اپنے مسلک کی تاریخ' فقہ اور احادیث کی کتابوں میں یہ بات بالصراحت موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے بطن سے اور نبی اکرم ﷺ کے صلب سے چار بیٹیاں عطا فرمائی تھیں۔ انہوں نے یہ جھوٹ گھڑ لیا کہ نبی اکرم ﷺ کی صرف ایک ہی صُلبی صاحبزادی تھی اور وہ تھیں حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا۔ یہ طرز عمل ڈھٹائی اور بے شرمی نہیں تو اور کیا ہے؟

ذاتی فضائل

ہم تسلیم کرتے ہیں کہ جن اہل ایمان کا حضور ﷺ کے ساتھ قرابت اور رشتہ داری کا تعلق تھا ان کے لئے یہ تعلق بھی ایک بنائے فضیلت ہے' لیکن یہ اصل اور واحد بنائے فضیلت نہیں ہے' اصل بنائے فضیلت درحقیقت انسان کا اپنا کردار' اپنا عمل' اپنا تقویٰ اور اپنے اوصاف ہوتے ہیں۔ عربی کا ایک مشہور شعر ہے کہ ؎

اِنَّ الفتٰی مَن یقول ھَا انا ذا
لیس الفتٰی مَن یقول کان ابی کذا

(اصل جواں مرد تو وہ ہے جو یہ کہے کہ "یہ میں ہوں"۔ وہ جواں مرد نہیں جو یہ کہے کہ میرا باپ ایسا تھا!)

اس شعر کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ "پدرم سلطان بود" کہنے والوں کو کبھی بھی دنیا میں مقام عزت حاصل نہیں ہوا ہے۔ سوال تو یہ ہوتا ہے کہ تم کیا ہو؟ جواں مرد تو وہی کہلانے کا مستحق ہے جو میدان میں آکر یہ کہے کہ "یہ میں موجود ہوں" اور اُس میں واقعی جوان مردی کے جوہر موجود ہوں۔ جوان مرد وہ نہیں ہے جو یہ کہے کہ میرے باپ دادا ایسے

شجاع' جری اور دلیر تھے۔ دنیا ایسے دعووں کو کبھی تسلیم نہیں کرتی۔ اس کی نظر میں قدر و وقعت صرف اس انسان کی ہوتی ہے جس میں اپنے ذاتی اوصاف حمیدہ موجود ہوں۔

مُنعَم علیہم کون ہیں؟

میں چاہتا ہوں کہ خاص ذاتی اَوصاف اور سیرت و کردار کے اعتبار سے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی سیرت مبارکہ کا جائزہ لیا جائے۔ آپ کو معلوم ہے کہ سورۃ الفاتحہ ہماری نماز کا جزوِلازم ہے۔ اس سورہ میں ہم اپنے رب سے ہر رکعت میں دعا کرتے ہیں کہ :

﴿ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ○ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ﴾ "اے ہمارے پروردگار! ہمیں سیدھے راستے پر چلا۔ ان لوگوں کے راستے پر جن پر تو نے انعام فرمایا"۔ لیکن یہاں یہ بیان نہیں ہوا کہ "منعم علیہم" کون لوگ ہیں کہ جن کے راستے کی راہنمائی کی دعا کی جارہی ہے ـــــ فہم قرآن کا ایک اصول یہ ہے کہ : اَلْقُرْاٰنُ يُفَسِّرُ بَعْضُهٗ بَعْضًا' چنانچہ سورۂ نساء میں اس بات کو واضح کیا گیا۔ وہاں فرمایا گیا کہ ان اہل ایمان کو جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کو اس دنیا میں لازم کرلیں گے' آخرت میں ان لوگوں کی رفاقت و معیت نصیب ہوگی جن پر اللہ تعالیٰ کا انعام ہوا' اور یہ منعَم علیہم اور خوش نصیب لوگ انبیاء' صدیقین' شہداء اور صالحین ہیں۔ ایسے مبارک اور احسن لوگوں کی رفاقت اہل ایمان کو نصیب ہوگی :

﴿ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ○ ﴾ (النساء : ۶۹)

سورۂ نساء کی اس آیت سے معلوم ہوا کہ از روئے قرآن حکیم منعم علیہم کی چار جماعتیں ہیں۔ ان میں انبیاء کرام علیہم السلام بلند ترین مقام پر فائز ہیں۔ پھر صدیقین کا درجہ ہے' ان کے بعد شہدائے کرام' اور ان کے بعد مؤمنین صالحین ہیں۔ اِن چاروں درجات عالیہ میں سے جہاں تک نبوت کا تعلق ہے تو وہ پہلے ہی کسی نہیں تھی' وہی تھی۔ اور نبی اکرم ﷺ کی ذات گرامی پر اس کا دروازہ ہمیشہ ہمیش کے لئے بند ہو چکا ہے۔

اب قیامت تک کسی نوع کا کوئی نبی مبعوث نہیں ہو گا' نہ ظلی نہ بروزی۔ اب جو بھی دعویٰ نبوت کرے اس کے کذّاب ہونے میں کوئی کلام نہیں۔ البتہ بقیہ جو تین مراتب و مدارج ہیں ان کے دروازے اب بھی کھلے ہیں۔ اصحاب ہمت و عزیمت کے لئے اپنی اپنی ہمت' کوشش' محنت' ایثار اور کسی درجے میں اپنی اپنی افتادِ طبع کے اعتبار سے ان تینوں مراتب پر فائز ہونا اب بھی ممکن ہے۔ البتہ جو نفوس قدسیؓ نبی اکرم ﷺ کے صحبت یافتہ ہیں اور صحابی ہونے کے شرف کے حامل ہیں ان کے رتبے اور مرتبے کو پہنچنا ممکن نہیں۔ ہاں! ان مقامات عالیہ کے دروازے بند نہیں ہوئے اور مومنین کو اپنی اپنی سعی و جہد اور محنت کے نتیجہ میں یہ درجات حاصل ہو سکتے ہیں۔

صدّیقِ اکبرؓ کا مقام

اب اس مقدمے کے ساتھ آخری پارے کی سورۃ اللّیل کی چند آیات مبارکہ پر غور کیجئے۔ اس سورۂ مبارکہ کی آخری چھ آیات کے متعلق تو مفسرین کا تقریباً اجماع ہے کہ یہ آیات حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہیں' جو بلاشبہ صدیق اکبر ہیں' اور جن کی شان یہ ہے کہ وہ "افضلُ البشرِ بعدالانبیاء بالتحقیق" ہیں۔ ان آیات میں "الاَتقٰی" کا مصداق اکثر مفسرین کے نزدیک حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ ان آیات میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی شخصیت کا سب سے نمایاں وصف اللہ کی راہ میں مال صرف کرنا بیان ہوا ہے : ﴿اَلَّذِیْ یُؤْتِیْ مَالَهٗ یَتَزَكّٰی ۝﴾ یہ مال اللہ کی راہ میں صدیق اکبرؓ نے اپنے تزکیہ کے لئے صرف کیا۔ یہ نہیں کہ ان پر کسی کا قرض یا دباؤ تھا بلکہ یہ سارا انفاق لِوَجْهِ اللّٰهِ تھا۔ چنانچہ فرمایا ﴿وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰۤی ۝ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰی ۝﴾ اس مال کے صرف کا ایک ہی مقصد صدیق اکبرؓ کے پیش نظر تھا اور وہ تھا رضائے الٰہی کا حصول ـــــ یتیموں کی سرپرستی' بیواؤں کی دستگیری' صاحب ایمان غلاموں کی خرید اور رُستگاری' مسافروں کی خبرگیری' محتاجوں کی حاجت روائی اور پھر دین حق کے غلبے اور اللہ کے جھنڈے کو بلند کرنے' اسلام کی نشر و اشاعت' جہاد و قتال فی سبیل اللہ کے سامان کی فراہمی میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے مال و منال خرچ ہو رہے تھے' اور تمنا

اور آرزو تھی تو صرف یہ کہ اللہ راضی ہو جائے ـــــ اس سورۂ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے بھی صدیق اکبرؓ کو اپنی رضا کی ان الفاظ میں خوش خبری سنائی ہے کہ : ﴿وَلَسَوْفَ یَرْضٰی ۝﴾ اِمام رازی رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک سورۃ اللیل دراصل "سورۃ الصدیق" ہے اور فوراً مابعد سورۃ الضحیٰ سورۂ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے ـــــ یہی نکتہ ہے کہ سورۃ اللیل میں صیغہ غائب میں فرمایا ﴿وَلَسَوْفَ یَرْضٰی ۝﴾ اور سورۃ الضحیٰ میں واحد حاضر کے صیغہ میں فرمایا : ﴿وَلَسَوْفَ یُعْطِیْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰی ۝﴾

صِدّیقیت کے عناصرِ ترکیبی

مقام صدیقیت کے جو عناصر ترکیبی ہیں وہ سورۃ اللیل کی اِن تین آیتوں میں بیان ہوئے ہیں : ﴿فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی وَاتَّقٰی ۝ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰی ۝ فَسَنُیَسِّرُهٗ لِلْیُسْرٰی ۝﴾ جس صاحب ایمان شخص کی سیرت و کردار میں یہ اَجزائے ثلاثہ "اِعطاء' تقویٰ اور تصدیق بالحسنٰی" جمع ہو جائیں اس کے لئے مقامِ صدیقیت کی راہ کشادہ اور آسان ہو جاتی ہے۔ آخری آیات میں سب سے زیادہ اعطاء کے وصف کو نمایاں کیا گیا' جیسا کہ میں ابھی بیان کر چکا ہوں : ﴿اَلَّذِیْ یُؤْتِیْ مَالَهٗ یَتَزَكّٰی ۝﴾ ـــــ ایک طرف اِعطاء ہو' جُود و سخا ہو۔ کسی کو تکلیف میں دیکھ کر انسان تڑپ اٹھے' اس کی تکلیف دور کرنا اگر اس کے بس میں ہو تو اسے ذور کرے۔ کسی کو احتیاج میں دیکھ کر اس کا اپنا آرام حرام ہو جائے' اور اس پر یہ دھن سوار ہو کہ کسی طرح اس کی احتیاج کے دور کرنے میں اس کا تعاون شامل ہو جائے۔ مقام صدیقیت کا یہ سب سے اعلیٰ وصف ہے۔ دوسرا وصف ہے تقویٰ ـــــ طبیعت میں نیکی کا مادہ' خیر کا جذبہ' نیکی کا فطری میلان' برائی اور بدی سے طبعی کراہت اور نفرت' برائی سے بچنے کا ذاتی رجحان اور کوشش۔ گویا خدا خوفی اور خدا ترسی کی ایک کیفیت ـــــ اور تیسرا وصف جو مقام صدیقیت کی تکمیل کرتا ہے' اور جس سے کسی کی صدیقیت پر مہر ثبت ہو جاتی ہے وہ ہے ﴿وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰی ۝﴾ یعنی جو بھی اچھی بات سامنے آئے اس کی فوراً تصدیق کرے۔ انانیت نہ ہو' تکبر نہ ہو کہ میں اگر دوسرے کی بات مان لوں گا تو میں چھوٹا ہو جاؤں گا اور وہ بڑا ہو جائے گا ـــــ ہم خود اپنے اوپر اس

بات کو وارد کر کے سمجھ سکتے ہیں کہ بسا اوقات کسی سے بحث ہو رہی ہو اور اثنائے بحث میں انسان محسوس کر بھی لے کہ مقابل کی بات درست ہے' لیکن وہ اپنی بات کی اُنچ اور انانیت کی بنا پر اپنے موقف کے غلط ہونے کے شعور وادراک کے باوجود دوسرے کی بات تسلیم کرنے سے احتراز کرتا ہے اور اسے اپنی شکست اور ہیٹی سمجھتا ہے' للذا کٹ حجتی اختیار کرتے ہوئے دلیل پر دلیل وضع کرتا چلا جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ کسی کی بات کو مان لینا اور تسلیم کرلینا آسان کام نہیں۔ جس شخص میں یہ وصف ہو کہ چاہے دشمن بھی ایسی کوئی بات کہے جو عدل و انصاف پر مبنی ہو تو اسے فوراً تسلیم کرے' بلاشبہ وہ صاحب کردار شمار ہو گا۔ اس طرز عمل کا نام ہے تصدیق بالحسنٰی ـــــ یہ تینوں اوصاف اِعطاء' تقویٰ اور تصدیق بالحسنٰی جس صاحب ایمان میں جمع ہو جائیں' وہ شخص صدیق کہلائے گا۔ چنانچہ سب سے زیادہ اور سب سے نمایاں طور پر یہ اوصاف ثلاثہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شخصیت میں جمع ہوئے' اسی لئے وہ صدّیقِ اکبرؓ ہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ "صِدّیق" صرف وہی ہیں' بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ صدیقین کی جماعت میں حضرت ابو بکرؓ دراصل "صدیق اکبر" کے مقام پر فائز ہیں' وہ صدیقین کی جماعت کے سرخیل اور گلِ سرسبد ہیں۔ اس کی دلیل سورۃ النساء کی محوّلہ بالا آیت میں موجود ہے' جس میں جمع کا صیغہ "صِدّیقین" استعمال ہوا ہے۔

یہی بات سورۃ الحدید کی آیت ۱۸ میں بایں الفاظ بیان ہوئی ہے : ﴿اِنَّ الْمُصَّدِّقِيْنَ وَالْمُصَّدِّقَاتِ وَاَقْرَضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعَفُ لَهُمْ وَلَهُمْ اَجْرٌ كَرِيْمٌ ۝﴾ یعنی "بے شک صدقہ کرنے والے مرد اور صدقہ کرنے والی عورتیں' اور وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کو قرض حسن دیں' ان کے لئے دوگنا اجر ہے اور بہترین بدلہ ہے' جس میں اضافہ ہوتا رہے گا"۔ اس آیت کریمہ میں ایک اصطلاح "صدقہ" کی استعمال ہوئی ہے اور ایک "اللہ کو قرضِ حسن دینے کی"۔ اِن دونوں اصطلاحوں کے علیحدہ علیحدہ مفاہیم ہیں۔ "صدقہ" اُس اِنفاق کو کہتے ہیں جو یتیموں' بیواؤں' محتاجوں' مسافروں اور حاجت مندوں کی خبر گیری اور حاجت روائی کے لئے صرف کیا جائے' جبکہ اللہ کے ذمے "قرض حسن" دراصل وہ انفاق مال ہے جو اللہ کے دین کے غلبے' نشرواشاعت اور دعوت و تبلیغ کی راہ میں کیا جائے'

جس کا مقصود و مطلوب ہو : لِتَكُوْنَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا۔

سورۃ الحدید میں اللہ کے دین کے غلبے کے لئے مسلمانوں کو ترغیب و تشویق کا مضمون تانے بانے کی طرح جڑا ہوا ہے۔ چنانچہ فرمایا : ﴿مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗ وَلَهٗ اَجْرٌ كَرِيْمٌ ۝﴾ "کون ہے جو اللہ کو قرض حسن دے تاکہ وہ اس میں مسلسل اضافہ فرماتا رہے؟ ایسے شخص کے لئے اجر کریم ہے"۔ یہ اللہ تعالیٰ کی شان کریمی اور رحیمی ہے کہ وہ اس مال کو جو اس کے دین کی سربلندی کے لئے صرف کیا جائے' اپنے ذمے "قرض حسنہ" سے تعبیر کرتا ہے' حالانکہ اللہ تعالیٰ تو الغنی ہے' اسے کسی کے مال کی کوئی حاجت نہیں' اس کی شان تو قرآن میں ﴿وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ کے الفاظ میں بیان کی گئی ہے۔ لیکن وہ اپنے دین کی راہ میں خرچ کئے جانے والے مال کو اپنے ذمے قرض حسن سے تعبیر فرماتا ہے' جس سے محض مسلمانوں کی حوصلہ افزائی اور قدر دانی مقصود ہے۔

اسی سورۃ الحدید میں صاحب احتیاج لوگوں کی حاجت روائی اور اللہ کے دین کی سربلندی کے لئے مال صرف کرنے والوں سے اجر کریم کے وعدے کے بعد فرمایا :

﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ وَالشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ' لَهُمْ اَجْرُهُمْ وَنُوْرُهُمْ﴾ "اور جو لوگ اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے' وہی صدّیقین اور شہداء میں سے ہیں۔ ان کے لئے ان کا اجر اور ان کا نور ہے"۔ یعنی جن لوگوں میں اِعطاء کا وصف موجود ہے' جو بخیل نہیں' جو دو سخا سے متصف ہیں' جو غرباء' یتامیٰ' مساکین اور دوسرے صاحب احتیاج لوگوں کی خبر گیری اور حاجت روائی' نیز اللہ کے دین کے غلبے اور نشر و اشاعت کے لئے اپنا مال صرف کرتے ہیں' یہی وہ لوگ ہیں کہ جب ان کے کشتِ قلوب میں ایمان کی تخم ریزی ہوتی ہے تو وہ پورے طور پر بار آور ہوتا ہے' اور خوب برگ و بار لاتا ہے۔ یہ بات آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ بیج ایک ہو لیکن اگر زمین مختلف ہو تو نتائج بھی مختلف بر آمد ہوتے ہیں۔ ہر بیج کی نشو و نما اور بار آوری کے لئے لازم ہے کہ زمین اس بیج کے لئے سازگار ہو۔ اگر زمین بنجر ہو گی تو بیج ضائع ہو جائے گا۔ اسی بات کو نبی اکرم ﷺ نے اپنے ارشادِ گرامی سے بھی واضح کیا اور اِسی کی ایک

تمثیل انجیل میں بھی بیان ہوئی ہے' جس کا مفاد یہ ہے کہ زمینوں کے فرق سے پیداوار میں زمین و آسمان کا تفاوت ہو جائے گا ـــــ ایک کشتِ قلب وہ ہے جس میں اِعطاء' صدقہ' اور انفاق فی سبیل اللہ کا ہل چل چکا ہے۔ اس میں جب ایمان کا بیج پڑے گا تو بار آور ہو گا اور اس کو صدیقیت و شہادت کے مقاماتِ عظمیٰ تک رسائی حاصل ہو جائے گی : ﴿اُولٰئِكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ وَالشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِم﴾ "یہی وہ لوگ ہیں جو اپنے رب کے نزدیک صدیق بھی ہیں اور شہید بھی ـــــ ﴿لَهُمْ اَجْرُهُمْ وَنُوْرُهُمْ﴾ "یہی وہ لوگ ہیں جن کا بدلہ بھی اللہ کے ہاں محفوظ ہے اور جن کا نور بھی محفوظ ہے"۔

سیرتِ عثمان رضی اللہ عنہ کے چند درخشاں پہلو

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے لقب "ذوالنورین" کی شرح اس آیت کی روشنی میں بھی ہوتی ہے' کیونکہ ہم جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی سیرت مبارکہ کا بغور مطالعہ کرتے ہیں تو صاف نظر آتا ہے کہ نورِ صدیقیت اور نورِ شہادت' دونوں جس شخصیت میں یکجا جمع ہوئے ہیں وہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ اس بات کو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی سیرت کے تجزیئے سے بہتر طریقے پر سمجھا جا سکے گا۔ میں جو بات واضح کرنا چاہتا ہوں' میں اس کا تانا بانا بُن چکا ہوں۔ اب آپ اس میں بہ سہولت پھول ٹانک سکتے ہیں' اب یہ پھول آپ کو علیحدہ محسوس نہیں ہوں گے بلکہ تانے بانے میں گتھے ہوئے نظر آئیں گے۔

جُود و سخا

سب سے پہلے "اِعطاء" کے وصف کو لیجئے جو مقامِ صدیقیت کا وصفِ اول ہے۔ یہ وصف حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی سیرت میں بہت نمایاں ہو کر سامنے آتا ہے۔ امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے اپنی معرکۃ الآراء کتاب "اِزَالَةُ الخِفاء عَن خِلافةِ الخُلفاء" میں محققین کا یہ قول نقل کیا ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو "ذُوالنّورین" کا جو لقب ملا تو اس کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ ان میں دو سخاوتیں جمع ہو گئی تھیں۔ ایک سخاوت اسلام لانے سے پہلے کی زندگی کی ہے اور دوسری سخاوت کی شان وہ ہے کہ جو اسلام لانے

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک پر بیعت کرنے کے بعد ظاہر ہوئی۔ اصلاً تو آپؓ کو "ذُوالنُّورین" کا لقب حضور ﷺ کی دو صاحبزادیوں کا یکے بعد دیگرے آپؓ کے حبالۂ عقد میں آنے کی وجہ سے ملا تھا' لیکن حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کے نزدیک محققینِ اُمّت کا یہ قول بھی سند کا درجہ رکھتا ہے کہ اس معزز لقب کا باعث حضرت عثمانؓ کی زندگی میں اسلام سے قبل اور قبول اسلام کے بعد کی جود و سخا بھی ہے۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی عمر نبی اکرم ﷺ سے پانچ سال کم تھی۔ ان کے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بھی بڑے گہرے مراسم تھے۔ ظاہر ہے کہ گہرے اور مضبوط دوستانہ تعلقات و مراسم میں طبیعت و مزاج کی یگانگی اور موافقت موجود ہونا ضروری ہوتا ہے۔ لہٰذا جس طرح اسلام سے قبل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پیکر جود و سخا اور نوع انسانی کی ہمدردی سے معمور شخصیت تھے اسی کا عکس کامل حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ بھی تھے ـــــ اسلام لانے کے بعد جس طرح صدیق اکبرؓ نے اپنا سارا اثاثہ اور مال و منال دین حق کی سربلندی اور غلبے کے لئے لگایا اور ان غلاموں کو جو دولت ایمان سے مشرف ہونے کے باعث اپنے آقاؤں کے ہاتھوں ظلم کی چکی میں پس رہے تھے' اپنی جیب خاص سے خرید کر آزاد کیا' اور غزوۂ تبوک کے موقع پر اپنا پورا گھر کا اثاثہ سمیٹ کر نبی اکرم ﷺ کے قدموں میں لا ڈالا' کم و بیش یہی کیفیت حضرت عثمان غنیؓ کی بھی رہی ہے' اور انہوں نے نہایت ہی نامساعد حالات میں اپنے سرمائے سے دین کی خدمت کی ہے' جس کی چند مثالیں آگے بیان ہوں گی۔ اِس وقت جو بات میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ ہر صدیق کی سیرت میں صدیقیت کبریٰ کا عکس ضرور نظر آئے گا۔ چنانچہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی سیرت میں یہ عکس بتمام و کمال موجود ہے اور اسی وصف کے باعث ان کا دوسرا معزز لقب "غنی" بھی ہے۔

بئر رومہ کا وقف کرنا

ہجرت کے بعد جب مدینہ میں مسلمانوں کے لئے پانی کی قلت ہوئی اور مسلمانوں کی عورتیں بئرِ رومہ سے' جو ایک یہودی کی ملکیت تھا اور مدینہ سے تقریباً دو میل کے فاصلے پر

تھا' پانی بھرنے جاتی تھیں تو یہودی ان پر فقرے کستے تھے اور اس طرح مسلمانوں کی عزت مجروح ہوتی تھی۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے میٹھے پانی کے اس کنویں کے مالک یہودی کو منہ مانگی بھاری قیمت ادا کر کے بئرِ رومہ خریدا اور اُسے مسلمانوں کے اِستفادے کے لئے وقف کر دیا ـــــ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ "اَلنَّاسُ کَالْمَعَادِنِ" یعنی "لوگ معدنیات کی مانند ہوتے ہیں"۔ سونے کی دھات جب ناصاف اور کچی حالت میں ہو تب بھی تو سونا ہی ہے۔ یہ اور بات ہے کہ اس کے ساتھ مٹی' چونا اور دوسری چیزیں بھی شامل ہوتی ہیں۔ اس کچی دھات کو کٹھالی میں ڈالئے تو خالص سونا فراہم ہو جائے گا' اس کی ماہیت میں کوئی تبدیلی نہیں آئے گی۔ یہی بات ہے جو اس حدیث مبارکہ میں بیان ہوئی ہے کہ خِیارکم فِی الجاھلیَّۃِ خیارکم فی الاسلام "تم میں سے جو دورِ جاہلیت میں بہترین لوگ تھے وہی اسلام میں بھی بہترین لوگ ہیں"۔ سونا جب تپ تپا کر کٹھالی سے برآمد ہوتا ہے تو زرِ خالص ہو جاتا ہے۔ یہی معاملہ صدیقین کا ہوتا ہے۔ ان میں جو اوصاف ایمان سے قبل موجود ہوتے ہیں وہ ایمان کی بھٹی میں گزر کر مزید نکھر جاتے ہیں اور پختہ ہو جاتے ہیں۔ اسی اعتبار سے صدیق اکبر اور عثمان غنی رضی اللہ عنہما کی سیرتوں کے دونوں ادوار میں فیاضی اور سخاوت اپنے عروج پر نظر آتی ہے۔

غلاموں کو آزاد کرانا

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ جو بالکل آغاز ہی میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی دعوت پر ایمان لائے تھے' خود فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کے دست مبارک پر بیعت ایمان کرنے کے بعد میری زندگی میں کوئی جمعہ ایسا نہیں گزرا جس میں' میں نے کسی نہ کسی غلام کو آزاد نہ کیا ہو۔ اگر کبھی ایسا اتفاق ہوا کہ میں کسی جمعہ کو غلام آزاد نہ کر سکا تو اگلے جمعہ کو میں نے دو غلام آزاد کئے۔

حرمِ نبویؐ کی توسیع

مسجد نبوی کی توسیع کے لئے نبی اکرم ﷺ نے ایک موقع پر فرمایا کہ "کون ہے جو

فلاں مویشی خانے کو مول لے اور ہماری مسجد کے لئے وقف کردے تاکہ اللہ اس کو بخش دے" تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے بیس یا پچیس ہزار دینار میں یہ قطعہ زمین خرید کر مسجد نبوی کے لئے وقف کردیا۔

جیشِ عُسرہ کے لئے ایثار

غزوۂ تبوک کے موقع پر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا جذبۂ انفاق فی سبیل اللہ دیدنی تھا۔ یہ وہ موقع تھا کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تو اِس مقام بلند ترین تک پہنچے کہ کُل اثاثُ البیت لاکر حضورؐ کے قدموں میں ڈال دیا' گھر میں جھاڑو تک نہ چھوڑی اور جب حضورؐ نے فرمایا کہ "کچھ فکر عیال بھی چاہئے" تو اُس رفیق غار اور عشق و محبت کے رازدار نے کہا کہ ؎

پروانے کو چراغ ہے بلبل کو پھول بس
صِدّیق ؓ کے لئے ہے خدا کا رسولؐ بس

یہی وہ موقع تھا کہ جب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دل میں یہ خیال گزرا تھا کہ وہ اس مرتبہ انفاق میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے بازی لے جائیں گے' کیونکہ حسن انفاق سے اُس وقت' خود حضرت عمر فاروق ؓ کے بقول' اُن کے پاس کافی مال تھا۔ انہوں نے اپنے تمام اثاثے کے دو مساوی حصے کئے' ایک حصہ اہل و عیال کے لئے چھوڑا اور دوسرا حصہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں پیش کردیا' لیکن جب جناب صدیق اکبر ؓ کا یہ ایثار ان کے سامنے آیا کہ گھر میں جھاڑو پھیر کر سب کچھ خدمتِ اقدس میں لاڈالا تو وہ بے اختیار پکار اٹھے کہ صدیق اکبر ؓ سے آگے بڑھنا کسی کے بس کی بات نہیں ہے۔

ذرا چشم تصور سے دیکھئے کہ غزوۂ تبوک کی تیاری ہو رہی ہے' سینکڑوں میل دُور کا سفر درپیش ہے' سخت ترین گرمی کا موسم ہے' جہاد کے لئے نفیر عام ہے' وقت کی عظیم ترین طاقت سلطنتِ روما سے مسلح تصادم کا مرحلہ سامنے ہے۔ مسجد نبویؐ میں نبی اکرم ﷺ منبر پر تشریف فرما ہیں اور لوگوں کو بار بار ترغیب و تشویق دلا رہے ہیں کہ وہ اِس غزوہ کے لئے زیادہ سے زیادہ انفاق کریں' آلاتِ حرب و ضرب اور سامانِ رسد و نقل و حمل مہیا کریں یا' اُس کی فراہمی کے لئے نقد سرمایہ فراہم کریں۔ اِس موقع پر حضرت

عثمان غنی رضی اللہ عنہ کھڑے ہوتے ہیں اور بارگاہ رسالت میں عرض کرتے ہیں کہ حضورؐ! میری طرف سے ایک سو اونٹ مع ساز و سامان حاضر ہیں۔ حضورؐ کو علم ہے کہ کتنی عظیم مہم درپیش ہے اور کتنا ساز و سامان درکار ہے' لہٰذا حضورؐ صحابہ رضی اللہ عنہم کو انفاق کی مزید ترغیب دیتے ہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پھر کھڑے ہوتے ہیں اور عرض کرتے ہیں کہ حضورؐ! میں مزید ایک سو اونٹ مع ساز و سامان پیش کرتا ہوں۔ حضورؐ لوگوں کو مزید ترغیب دیتے ہیں۔ حضرت عثمانؓ تیسری بار پھر کھڑے ہوتے ہیں اور عرض کرتے ہیں کہ میں ساز و سامان سمیت ایک سو اونٹ مزید فی سبیل اللہ نذر کرتا ہوں۔ یعنی اس مردِ غنیؓ کی جانب سے اس غزوہ کے لئے تین سو اونٹ مع ساز و سامان پیش کئے جاتے ہیں۔ حدیث میں آتا ہے کہ اس موقع پر حضور ﷺ منبر سے اترے اور دو مرتبہ فرمایا کہ اس کے بعد عثمانؓ کو کوئی بھی عمل (آخرت میں) نقصان نہیں پہنچا سکتا"۔ اس واقعہ کے متعلق پوری حدیث درج ذیل ہے :

عن عبدالرحمٰن بن خباب رضی اللّٰہ عنہ قال : شَھِدتُ النبیَّ صلَّی اللہ علیہ وسلم وھو یَحُثُّ علٰی تَجھیزِ جَیْشِ العُسْرَۃِ ' فقَام عثمانُ بنُ عَفَّان ' فقال : یارَسولَ اللّٰہ' عَلَیَّ مِائۃُ بَعیرٍ بِاَحْلاَسِھَا واَقْتَابِھَا فِی سبیلِ اللّٰہِ' ثُمَّ حَضَّ عَلَی الْجَیشِ' فقَام عُثمانُ فقال : یارَسولَ اللّٰہِ : عَلَیَّ مِائَتَا بَعیرٍ بِاَحْلاَسِھَا واَقْتَابِھَا فِی سبیلِ اللّٰہِ' ثُمَّ حَضَّ عَلَی الْجَیشِ' فقَامَ عُثمان فقال : یارَسولَ اللّٰہِ : عَلَیَّ ثَلاثُمِائۃِ بعیرٍ بِاَحْلاَسِھَا واَقْتَابِھَا فِی سبیلِ اللّٰہِ' فاَنَا رَاَیتُ النبیَّ صلَّی اللّٰہ علیہ وسلم یَنْزِلُ علَی الْمِنبرِ وھُو یقولُ : ((مَا عَلٰی عُثمانَ ما فَعَلَ بعدَ ھٰذِہٖ ' مَا علٰی عُثمانَ مَا عَمِلَ بَعْدَ ھٰذہٖ)) (رواہ الترمذی)۔

اسی جیشِ عسرہ کے لئے حضور ﷺ نقد سرمائے کے انفاق کی بھی ترغیب دلاتے ہیں تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اپنے مستقر پر جاتے ہیں اور اپنے گماشتوں کو ہدایت کرتے ہیں کہ

جس قدر بھی نقد سرمایہ جمع ہو سکے فوراً پیش کرو۔ چنانچہ ایک ہزار دینار (اشرفیاں) ایک تھیلی میں بھر کر نبی اکرم ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوتے ہیں۔ حضورؐ منبر پر تشریف فرما ہیں' عثمان غنیؓ حضورؐ کی گود میں وہ اشرفیاں الٹ دیتے ہیں۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ جوشِ مسرت سے چہرۂ انورؐ کی رنگت اتنی سرخ ہو جاتی ہے کہ جیسے رخسار مبارک پر سرخ انار نچوڑ دیئے گئے ہوں۔ یعنی فرطِ مسرت سے حضورؐ کا چہرۂ مبارک گلنار ہو گیا تھا۔ آپؐ جوشِ مسرت کے ساتھ اپنی گود میں ہاتھ ڈال کر ان اشرفیوں کو بار بار الٹ پلٹ رہے تھے۔ اس موقع پر بھی حضورؐ دو مرتبہ فرماتے ہیں کہ: "آج کے دن کے بعد عثمانؓ کو (آخرت میں) کوئی عمل ضرر نہیں پہنچا سکتا"۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں :

عن عبد الرحمٰن بن سَمرة رضی اللّٰہ عنهما' جَاءَ عُثمانُ اِلَی النَّبیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْه وَسَلَّمَ بِاَلْفِ دِینارٍ فِی کُمِّهٖ حِینَ جَهَّزَ جَیْشَ الْعُسْرَةِ ' فَنَثَرَهَا فِی حَجْرِهٖ' قال عبدُالرحمٰن : فَرَاَیْتُ النبیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْه وَسَلَّمَ یُقَلِّبُهَا فِی حَجْرِهٖ وَیَقُولُ :((مَا ضَرَّ عُثمانَ ما عَمِلَ بَعْدَ الْیَوْمِ — مَرَّتَیْنِ))

(رواہ الترمذی' ورواہ ایضاً احمد فی "المسند")

اس کا دُور دُور بھی امکان نہیں تھا کہ آنحضور ﷺ کی اس بشارت کے برتے پر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ جیسے مؤمنِ صادق سے اللہ اور اس کے رسولؐ کی کوئی معصیت صادر ہو گی۔ حضورؐ کا یہ ارشاد دراصل حضرت عثمان غنیؓ کے اس بلند ترین مقام و مرتبہ کے اظہار کے لئے تھا جو انہوں نے انفاق فی سبیل اللہ کی بدولت حاصل کیا تھا۔

اسی غزوۂ تبوک کے سلسلہ میں اِزالۃُ الخِفاء میں شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے سالم بن عبد اللہ بن عمرؓ کی ایک روایت نقل کی ہے کہ تبوک کے سفر میں جتنی بھوک پیاس اور سواری کی تکلیف درپیش آئی اتنی کسی دوسرے غزوے میں نہیں آئی۔ دورانِ سفر ایک مرتبہ سامانِ خورد و نوش ختم ہو گیا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو انہوں نے مناسب سامان اونٹوں پر لاد کر حضورؐ کی خدمت میں روانہ کیا۔ اونٹوں کی تعداد اتنی کثیر تھی کہ ان

(باقی صفحہ ۷۸ پر)

عظمت کے نشان

لشکر اسلام اپنے آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی معیت میں میدان اُحد سے مدینہ طیبہ لوٹ رہا ہے۔ ستر سے زیادہ اسلام کے ان سپوتوں کو سپرد خاک کر کے، جن کے حسن و جمال، شجاعت و عزیمت، خلوص و للّٰہیت کی جزیرۂ عرب میں کوئی مثال ہی پیش نہیں کی جا سکتی تھی۔ اور جو مجاہد بچ گئے ہیں ان کے جسم بھی گہرے زخموں سے چور چور ہیں۔ ان کی واپسی پر مدینہ طیبہ کی خواتین، بوڑھوں، بچوں نے اپنے جن تأثرات کا اظہار کیا وہ تعلیماتِ احمدیؐ کی اعجاز آفرینیوں کی ایسی دلکش مثالیں ہیں جن کی نظیر انسانیت کی ساری تاریخ میں جستجوئے بسیار کے باوجود نایاب ہے۔

لشکر اسلام کی سب سے پہلے راستہ میں ایک مسلم خاتون سے ملاقات ہوتی ہے جن کا نام حمنہ بنت جحش ہے۔ مرشد کامل صلی اللہ علیہ وسلم انہیں یاد فرماتے ہیں : یا حِمَّا اِحْتَسِبِی "اے حمنہ! اپنی مصیبت کا اجر اپنے رب سے طلب کرو۔" وہ پریشان ہو کر پوچھتی ہے : مَن یا رَسولَ اللّٰہ "کس کی موت پر صبر کا اجر اپنے رب سے طلب کروں" فرمایا : خَالُکِ حمزۃُ بنُ عبدِ المُطّلب "تیرے ماموں حمزہ بن عبد المطلب شہید ہو چکے ہیں"۔

یہ اندوہناک خبر سن کر اس خاتون نے پڑھا : اِنّا لِلّٰہِ وَاِنّا اِلَیہ رَاجِعُون غَفَرَ اللّٰہُ لَہٗ وَھَنِیئًا لَہُ الشَّھادَۃُ "اللہ تعالیٰ انہیں بخشے اور یہ شہادت انہیں خوشگوار ہو"۔ حضورؐ نے دوبارہ فرمایا : اِحْتَسِبِی "اپنی مصیبت کا اجر اپنے اللہ کے پاس طلب کرو۔" قَالَتْ مَنْ یَا رَسُولَ اللّٰہ "کس کی موت پر صبر کا اجر اپنے رب سے طلب کروں۔" آپؐ نے فرمایا : اَخُوکِ عبدُ اللہِ بنُ جَحْش "تمہارے بھائی عبد اللہ بن جحش شہید ہو چکے ہیں۔" اس خاتون نے کہا : "اِنّا لِلّٰہِ وِاِنّا الیہ راجِعُون

غفرَ اللّٰہ لہٗ ھنیئًا لہُ الشَّہادۃُ" تیسری مرتبہ حضورؐ نے فرمایا: اِحْتَسِبی "حمنہ اپنی مصیبت کا اجر اپنے رب سے طلب کرو۔" قالَتْ مَنْ یارسولَ اللّٰہ "کس کی موت پر صبر کا اجر اپنے رب سے طلب کروں" فرمایا: زَوْجُکِ مُصْعَبُ بْنُ عُمَیر "تیرے خاوند مصعب بن عمیر شہید ہو چکے ہیں۔" فقالَتْ وَاحُزْنَا وصَاحَتْ وَوَلْوَلَتْ کہنے لگی صد افسوس! پھر ان کی چیخ نکل گئی۔

حضور ﷺ نے مصعب کی شہادت پر اس خاتون کا یہ کہنا سن کر فرمایا: اِنَّ زَوْجَ الْمَرْأَۃِ مِنھَا لَبِمَقَامٍ "عورت کے دل میں اس کے شوہر کا ایک خاص مقام ہوتا ہے"۔ پھر حضور ﷺ نے پوچھا: تم نے ایسا کیوں کہا ہے۔ عرض کرنے لگی: یَا رَسُولَ اللّٰہِ ذَکَرْتُ یُتْمَ بَنِیہِ فَرَاعَنِی "مجھے ان کے بیٹوں کا یتیم ہونا یاد آیا تو میں خوفزدہ ہو گئی"۔ رسول اکرم ﷺ نے حضرت حمنہ کے لئے اور ان کے بچوں کے لئے دعا مانگی کہ ان پر اللہ تعالیٰ اپنا فضل و احسان فرمائے۔

حضور ﷺ مع اپنے لشکر کے آگے بڑھے۔ یہ موکب بنی عبد الاشہل کی بستی تک پہنچا۔ اس قبیلہ کے بہت سے بہادر شہید ہوئے تھے۔ لوگ اپنے اپنے شہیدوں پر رو رہے تھے۔ سرکار دو عالم ﷺ کی چشمانِ مبارک سے آنسو بہنے لگے۔ پھر فرمایا: "لٰکِن حَمزۃ لا بَوَاکِیَ لہ" لیکن میرے چچا حمزہ پر کوئی دو آنسو بہانے والا بھی نہیں۔ اس قبیلہ کی مستورات کو حضورؐ کی آمد کا علم ہوا تو سلام عرض کرنے کے لئے ساری باہر نکل آئیں۔ حضورؐ کو بخیر و عافیت دیکھ کر انہیں اپنے سارے دکھ بھول گئے اور بے ساختہ حضرت ام عامر اشہلیہ کی زبان سے نکلا: "کُلُّ مُصِیبَۃٍ بَعْدَکَ جَلَلٌ" "حضورؐ سلامت ہیں تو پھر ہر مصیبت ہیچ ہے۔

حضورؐ کے صحابہ کا یہ قافلہ بنی دینار قبیلہ کی اس خاتون کے پاس سے گزرا جس کا اُحد کی لڑائی میں باپ' خاوند اور بھائی تینوں نے جامِ شہادت نوش کیا تھا۔ جب اس اللہ کی بندی کو ان کی شہادت کے بارے میں بتایا گیا تو اس نے کہا: انہیں رہنے دو' مجھے بتاؤ کہ میرے آقا اور میرے سرور کا کیا حال ہے۔ اس کو بتایا گیا "خَیرًا یَا اُمَّ فُلانٍ۔ ھُوَ بِحَمدِ اللّٰہ کَمَا تُحِبِّینَ" الحمد للہ حضورؐ بالکل بخیر و عافیت ہیں۔ کہنے لگی مجھے

دکھاؤ میرے آقاؐ کہاں ہیں تاکہ میں روئے زیبا دیکھ کر تسلی کرلوں۔ اشارہ کرکے بتایا گیا کہ دیکھو حضورؐ وہ کھڑے ہیں۔ حضور کو بخیریت دیکھ کر اس مؤمنہ صادقہ کی زبان سے نکلا: "کُلُّ مُصِیْبَۃٍ بَعْدَکَ جَلَلٌ" "حضورؐ سلامت ہیں تو پھر ہر مصیبت ہیچ ہے۔

حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ مدینہ طیبہ میں حضورؐ کی شہادت کی افواہ پھیل گئی۔ تلاش حقیقت کے لئے انصار کی ایک خاتون کمر باندھ کر مدینہ طیبہ سے نکلی۔ راستہ میں اس کی ملاقات اپنے باپ' اپنے خاوند' اپنے بھائی اور اپنے بیٹے سے ہوئی لیکن اس نے کسی کی طرف توجہ نہ کی۔ جب چاروں کے پاس سے گزر گئی تو لوگوں نے اسے متوجہ کرنے کے لئے کہا کہ یہ تیرا باپ ہے' یہ تیرا خاوند ہے' یہ تیرا بیٹا ہے' یہ تیرا بھائی ہے۔ اس نے ادھر ذرا التفات نہ کیا۔ کہتی رہی انہیں رہنے دو' مجھے یہ بتاؤ میرے آقاؐ کا کیا حال ہے۔ بتایا گیا حضورؐ وہ سامنے تشریف فرما ہیں۔ جب حضورؐ کے پاس پہنچی تو اس نے حضورؐ کے کپڑے کا دامن پکڑ لیا اور عرض کرنے لگی: "بِاَبِیْ اَنْتَ وَاُمِّیْ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ لَا اُبَالِیْ اِذَا سَلِمْتَ مَنْ عَطِبَ" "اے اللہ کے پیارے رسول! میرے ماں باپ آپؐ پر قربان ہوں جب آپ سلامت ہیں تو مجھے ذرا پروا نہیں کہ کون مارا گیا"۔

ابن ابی حاتم' عکرمہ سے روایت کرتے ہیں کہ مدینہ طیبہ میں حضورؐ کی خیریت کی خبر پہنچنے میں تاخیر ہوئی تو مدینہ کی خواتین حضورؐ کی خیریت دریافت کرنے کے لئے مدینہ سے باہر نکل آئیں' سامنے سے ایک اونٹ آرہا تھا جس پر دو شہیدوں کی لاشیں تھیں۔ انصار کی ایک خاتون نے پوچھا کہ یہ دو لاشیں کن کی ہیں۔ انہیں بتایا گیا فلاں فلاں کی ہیں۔ ان دونوں میں سے ایک اس کا خاوند تھا اور ایک اس کا بیٹا۔ اس نے کہا انہیں چھوڑو' مجھے یہ بتاؤ میرے آقاؐ کا کیا حال ہے۔ بتایا گیا کہ حضورؐ بخیریت ہیں۔ کہنے لگی "لَا اُبَالِیْ' یَتَّخِذُ اللّٰہُ مِنْ عِبَادِہٖ شُھَدَاءَ" "مجھے کسی کی پروا نہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے بعض کو شہادت کے مرتبہ پر فائز فرمایا کرتا ہے" ـــــ اُس وقت یہ آیت نازل ہوئی ﴿وَلِیَعْلَمَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَیَتَّخِذَ مِنْکُمْ شُھَدَاءَ..﴾ "اور یہ اس لئے کہ دیکھ لے اللہ تعالیٰ ان کو جو ایمان لائے اور بنا لے تم میں سے کچھ شہید" (آل عمران: ۱۴۰)

سرورِ عالم ﷺ اپنے گھوڑے پر سوار ہیں۔ حضرت سعد بن معاذؓ لگام پکڑے ہوئے ہیں۔ اسی اثناء میں حبشہ بنت رافع حضرت سعد کی ماں' حاضر خدمت ہوتی ہیں۔ سعد عرض کرتے ہیں : میرے آقاؐ' یہ میری ماں ہے' فرمایا : مرحبا' خوش آمدید۔ وہ قریب آگئیں اور حضورؐ کو بڑے غور سے دیکھنے لگیں : پھر عرض پیرا ہوئیں : حضورؐ کی زیارت کے بعد ہر مصیبت ہیچ نظر آنے لگی ہے۔ ان کے بیٹے عمرو بن معاذ نے اس معرکۂ حق و باطل میں شہادت پائی تھی۔ حضورؐ نے ان کی والدہ سے تعزیت کی۔ پھر فرمایا : "اے سعد کی ماں! تمہیں خوشخبری ہو اور اپنے گھر والوں کو بھی خوشخبری سنادو کہ جنگ میں تمہارے شہید جنت میں سب اکٹھے ہو گئے ہیں' انہوں نے اپنے اہل و عیال کے بارے میں شفاعت کی ہے جو قبول کرلی گئی ہے"۔ اس خاتون نے عرض کی : "رَضِيْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ' وَمَنْ يَبْكِي عَلَيْهِمْ بَعْدَ هٰذَا" "اے اللہ کے رسول! ہم اپنے رب کی اس مہربانی پر بہت خوش ہیں اور اب ان مقتولوں پر کون روئے گا۔" پھر خیال آیا دریائے رحمت آج جوش پر ہے۔ "ہے آج وہ مائل بہ عطا اور بھی کچھ مانگ" کے مصداق سے عرض پیرا ہوئیں يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اُدْعُ لِمَنْ خُلِّفُوْا "پسماندگان کے لئے دعا فرمایئے"۔ اللہ کریم کے کریم محبوب نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور عرض کی "اَللّٰهُمَّ اَذْهِبْ حُزْنَ قُلُوْبِهِمْ وَاجْبُرْ مُصِيْبَتَهُمْ وَاَحْسِنِ الْخَلَفَ عَلٰى مَنْ خُلِّفُوْا" "اے اللہ! ان کے دلوں کے غم کو دور کردے۔ ان کی مصیبت کی تلافی کردے اور پیچھے آنے والوں کو اپنے پیشروؤں کے لئے بہتر فرمادے"۔

پھر فرمایا : سعد میرے گھوڑے کی باگ چھوڑ دو۔ انہوں نے باگ چھوڑ دی۔ سارے لوگ ساتھ ساتھ تھے۔ حضور ﷺ نے فرمایا : "اے سعد! تمہارے قبیلہ کے بہت سے لوگ زخمی ہیں' قیامت کے روز جب یہ لوگ حاضر ہوں گے تو ان کے زخموں سے خون جوش مار کر بہہ رہا ہو گا۔ اس کی رنگت خون کی سی ہو گی لیکن خوشبو کستوری کی ہو گی۔ میرا یہ حکم سب کو سنادو کہ سارے زخمی اپنے اپنے گھروں کو جائیں"۔ کوئی بھی میرے ساتھ نہ آئے۔ حسب حکم سارے رک گئے۔ رات بھر گھروں میں آگ جلتی رہی۔ زخمیوں کی مرہم پٹی ہوتی رہی۔ سعدؓ خود حضورؐ کے ہمراہ کاشانہ اقدس تک گئے۔

زخموں کے باعث حضور ﷺ کو اٹھا کر گھوڑے سے اتارا گیا۔ حضرت سعد بن عبادہؓ اور سعد بن معاذؓ کے کندھوں پر ٹیک لگا کر حضورؐ اپنے حجرۂ مبارکہ میں تشریف لے گئے۔ کاشانہ اقدس میں پہنچ کر حضورؐ نے اپنی تلوار سیدۃ النساء کو دی کہ اس پر خون لگا ہے اسے دھو ڈالیں۔ پھر فرمایا "وَاللّٰہِ لَقَدْ صَدَقَنِی الْیَوْمَ" "بخدا آج اس نے اپنا حق ادا کر دیا ہے"۔

پھر سیدنا علیؓ نے بھی اپنی تلوار حضرت خاتون جنتؓ کو صاف کرنے کے لئے دی۔ آپ نے بھی اپنی شمشیر خارا شگاف کے بارے میں اظہار رائے کرتے ہوئے فرمایا "فَوَاللّٰہِ لَقَدْ صَدَقَنِی الْیَوْمَ" بخدا آج اس نے اپنا حق ادا کر دیا ہے۔ رحمتِ عالمیاں ﷺ نے فرمایا "لَئِنْ کُنْتَ صَدَقْتَ الْقِتَالَ لَقَدْ صَدَقَہٗ مَعَکَ سَھْلُ بْنُ حَنِیفٍ وَ اَبُوْدُجَانَۃَ" "اے علی! اگر آج آپ نے دشمن سے جنگ کرنے کا حق ادا کیا ہے تو آپ کے ساتھ سہل بن حنیف اور ابو دجانہ نے بھی دشمن سے لڑنے کا حق ادا کر دیا ہے۔" دوسری روایت میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا: "لَئِنْ اَجَدْتَ الضَّرْبَ بِسَیْفِکَ لَقَدْ اَجَادَ سَھْلُ بْنُ حَنِیفٍ وَاَبُو دُجَانَۃ وَعَاصِمُ بْنُ ثَابِتٍ وَالْحَارِثُ بن الصِّمَّۃ رَضِیَ اللّٰہ عَنْھُم" "اگر آپ نے اپنی تلوار کے ساتھ دشمن پر وار کرنے میں اپنی کمال مہارت کا ثبوت دیا ہے تو سہل بن حنیف، ابو دجانہ، عاصم بن ثابت، حارث بن صمّہ (رضی اللہ عنہم) نے بھی اپنی تلواروں کے ساتھ اپنی شجاعت کے خوب جوہر دکھائے ہیں"۔

نماز مغرب کے لئے حضورؐ سعدینؓ کے کندھوں پر ٹیک لگائے ہوئے تشریف لائے۔ نماز کے بعد حجرہ شریف میں واپسی ہوئی۔ پھر سعد بن معاذ اپنے قبیلہ میں گئے اور قبیلہ کی ساری عورتوں کو ہمراہ لے آئے تاکہ حضورؐ سے حضرت حمزہؓ کی دلگداز شہادت پر اظہار تعزیت کریں۔ مغرب سے عشاء تک یہ مستورات روتی رہیں۔ نماز عشاء تک حضورؐ نے آرام فرمایا۔ طبیعت میں کافی افاقہ محسوس ہونے لگا۔ بغیر سہارے کے چل کر حضورؐ نماز عشاء کے لئے تشریف لے آئے اور انصار کی عورتوں کو دعاؤں سے رخصت فرمایا۔ ایک روایت میں ان کے لئے یہ دعا مرقوم ہے: رَضِیَ اللّٰہُ عَنْکُنَّ وَعَنْ

اَوْلَادِکُنَّ "اللہ تعالیٰ تم پر راضی ہو اور تمہاری اولاد پر بھی راضی ہو"۔ حضورؐ نے ان کے مَردوں کو فرمایا :

"مُرُوھُنَّ فَلْیَرْجِعْنَ وَلا یُبْکِیْنَ عَلٰی ھَالِکٍ بَعْدَ الْیَوْمِ"

"انہیں حکم دو کہ اپنے گھروں کو واپس چلی جائیں اور آج کے بعد کسی مرنے والے پر نہ روئیں"۔

(اقتباس از ضیاء النبی جلد سوم' مولف : پیر محمد کرم شاہ الازہری)

بقیہ : شہید مظلوم

کی وجہ سے دُور سے تاریکی نظر آ رہی تھی جس کو دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "لوگو! تمہارے واسطے بہتری آ گئی ہے"۔ اونٹ بٹھائے گئے اور جو کچھ ان پر سامان لدا ہوا تھا' اتارا گیا۔ حضورؐ نے اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر فرمایا "میں عثمانؓ سے راضی ہوں' اے اللہ' تو بھی عثمانؓ سے راضی ہو جا۔" یہ فقرہ حضورؐ نے تین مرتبہ ارشاد فرمایا۔ پھر صحابہ رضی اللہ عنہم سے کہا کہ "تم بھی عثمانؓ کے حق میں دعا کرو"۔

(جاری ہے)

امیر تنظیم اسلامی کا ایک نہایت جامع درس قرآن

بعنوان:

اطاعت کا قرآنی تصور

کتابی شکل میں دستیاب ہے

صفحات ۴۴' قیمت ۷ روپے

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

امیر تنظیم اسلامی

ڈاکٹر اسرار احمد کے دو خطابات پر مشتمل

بعنوان:

عیسائیت اور اسلام

کتابی شکل میں دستیاب ہے

عمدہ طباعت' صفحات ۵۶ قیمت ۸ روپے

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

خاندان کی سربراہی اور اسلام

سید مظہر علی ادیب، ایم اے (اسلامیات)

مغربی ممالک میں ہر سال ہزاروں خواتین حلقہ بگوش اسلام ہو رہی ہیں۔ مغرب کا دانشور طبقہ سخت مضطرب ہے اور اس "تبدیلی" کو اپنے لئے "سبز خطرہ" تصور کرتا ہے۔ اس طبقے نے اسلام کے خلاف اپنی مہم تیز تر کر دی ہے اور اپنے ہاں کی خواتین کو مختلف طریقوں سے اسلام سے دور رکھنے کی کوششیں زور شور کے ساتھ شروع کر دی ہیں۔ اب یہ پروپیگنڈا کیا جا رہا ہے کہ اسلام کے خاندانی نظام میں سربراہی مرد کو حاصل ہے اور عورت کو اس کا دست نگر اور محکوم بن کر رہنا پڑتا ہے، خاندان میں مرد کے حقوق و اختیارات عورت کے مقابلے میں زیادہ ہیں اور خانگی زندگی میں عورت کی حیثیت ثانوی ہو جاتی ہے۔

اہل مغرب کی اسلام کے بارے میں رائے یا خیالات کبھی تعصب اور بغض سے پاک نہیں ہوتے۔ حق کے ساتھ باطل کی ضرور آمیزش کرتے ہیں، ادھوری بات کرتے ہیں اور ضرورت کے مطابق مبالغہ آرائی سے کام لیتے ہیں۔ یہ بے شک صحیح ہے کہ قرآن و سنت کی رُو سے خاندان کا سربراہ مرد ہی ہوتا ہے، خانگی زندگی کی باگ ڈور اسی کے ہاتھ میں ہے، لیکن اس میں محکومیت، مظلومیت یا دست نگری کا کوئی تصور موجود نہیں ہے۔ جہاں قرآن و سنت نے مَردوں کو خاندان کی بالادستی عطا فرمائی ہے وہاں ان پر الفت و محبت، عفو و درگزر، نرمی و شفقت کی حدود و قیود یا پابندیاں بھی عائد کر دی ہیں اور ان "پابندیوں" کے توڑنے پر سخت عذاب کی وعید آئی ہے۔ کسی زیادتی یا ظلم کی صورت میں عورت مرد کے خلاف قانونی چارہ جوئی کر سکتی ہے، علیحدگی اختیار کر سکتی ہے۔ شریعت نے اپنے نظام معاشرت میں اس کا مداوا رکھا ہے۔ رہا یہ سوال کہ اسلام نے خاندان کی سربراہی عورت کو کیوں نہیں سونپی اور عورت کے ساتھ یہ "بے انصافی" کیوں کی گئی؟ تمام اختیارات "انصاف کے ساتھ" برابر تقسیم کیوں نہیں کئے گئے؟ اب عورت مرد کے برابر کماتی ہے اور اپنی روزی خود مہیا کرتی ہے لہٰذا وہ خاندان کی سربراہ یا حاکم کیوں نہیں بن سکتی؟

اسلام دینِ فطرت ہے اور اس نے فطرت کے تقاضوں کے عین مطابق، مَردوں اور عورتوں کے درمیان تقسیم کار کی ہے۔ دونوں کی فطری، جسمانی و ذہنی قوتوں اور صلاحیتوں کے پیش نظر رکھا ہے۔ دونوں کے طبعی رجحانات و میلانات میں فرق کا خیال رکھا ہے۔ ایک کو بیرون خانہ سرگرمیوں کے لئے موزوں پایا تو دوسرے کو اندرون خانہ امور کے لئے مناسب سمجھا۔ ایک کے کندھوں پر معاشی ذمہ داریوں یا خاندان کی کفالت کا بوجھ ڈال دیا تو دوسرے کو اس ذمہ داری سے بالکل ہی سبکدوش کر دیا۔ کفالتی ذمہ داریوں کے باعث استحقاق کے علاوہ، مرد کا مضبوط جسم اور اس کے طاقت ور اعصاب، رُعب و دبدبہ، جرأت و حوصلہ، سختی، عمیق فکری اور عملیت، مزاحمت، نفاذ فیصلہ، تنظیم، غیرت و حمیت، صبر و استقامت، عفو و درگزر وغیرہ جیسے اوصاف اسے خاندان کی سربراہی کا اہل بنا دیتے ہیں۔ عورت کی ماتما، ہمدردی، لچک، انفعالیت و جذباتیت، رقت، حیا اور اس کا جذبہ ایثار، احساس عفت و عصمت اسے نسل انسانی کی پرورش و تربیت کرنے والی، خاندان کی معمار حسب نسب کی محافظ و پاسبان اور ایک اعلیٰ منتظم خانہ بننے میں معاونت کرتے ہیں۔

عورت کا اپنی روٹی کمانے اور پورے خاندان کی تمام معاشی و معاشرتی ذمہ داریاں سنبھالنے میں بڑا فرق ہے۔ اگر عورت کو خاندان کا سربراہ بنا دیا جائے تو ظاہر ہے مرد اپنی کفالتی ذمہ داریاں سنبھالنے سے انکار کر دے گا اور یہ خود عورت پر ظلم اور خاندان کی تباہی و بربادی کا باعث ہو گا۔ ایک دوسرے کی فطری صلاحیتیں اور ان کے طبعی اوصاف ضائع ہوں گے۔ دنیا کے کسی ادارے کے دو سربراہ نہیں ہو سکتے اور نہ ان کے درمیان اختیارات کی برابر برابر تقسیم ہو سکتی ہے۔ یہ ایک ناقابل عمل مہمل خیال ہے۔ ۱/۲ اگست ۱۹۸۸ء کے "نوائے وقت" کے مطابق : "برطانوی عورتوں کی جانب سے مَردوں کے برابر حقوق حاصل کرنے اور گھر میں مرد کو حاکم تسلیم نہ کرنے کی وجہ سے برطانیہ میں طلاق کی شرح دنیا بھر میں سب سے زیادہ ہے۔ اب برطانوی عورت اپنے شوہر کو گھر کا محافظ، بچوں کا باپ اور پیسہ کمانے والا اچھا شوہر نہیں سمجھتی جس سے مرد بدترین قسم کے سردرد میں مبتلا ہو کر اپنی بیویوں کو دھڑا دھڑ طلاقیں دے رہے ہیں"۔

☆ ☆

قرآن اکیڈمی

KHALID TRADERS

IMPORTERS – INDENTORS – STOCKISTS & SUPPLIERS OF WIDE VARIETY OF BEARINGS, FROM SUPER – SMALL TO SUPER – LARGE

AUTHORIZED AGENTS NTN BEARINGS

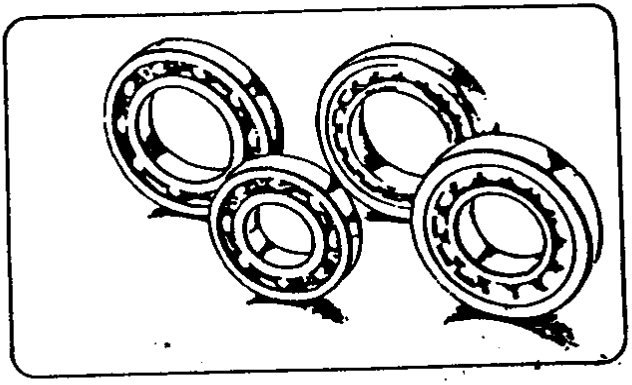

PLEASE CONTACT

TEL : 7732952-7735883-7730593
G.P.O. BOX NO. 1178, OPP KMC WORKSHOP
NISHTER ROAD, KARACHI-74200 (PAKISTAN)
TELEX : 24824 TARIQ PK CABLE : DIMAND BALL FAX : 7734776

FOR AUTOMOTIVE BEARINGS : Sind Bearing Agency 84 A-85,
Manzoor Square Noman St. Plaza Quarters Karachi-74400 (Pakistan)
Tel : 7723358-7721172

LAHORE : (Opening Shortly) — Amin Arcade 42, Brandreth Road, Lahore-54000 Ph : 54169

GUJRANWALA : — 1-Haider Shopping Centre, Circular Road, Gujranwala Tel : 41790-210607

WE MOVE FAST TO KEEP YOU MOVING

MONTHLY
Meesaq
LAHORE

Reg. No. CPL 125
Vol. 46 No. 4
Apr. 1997

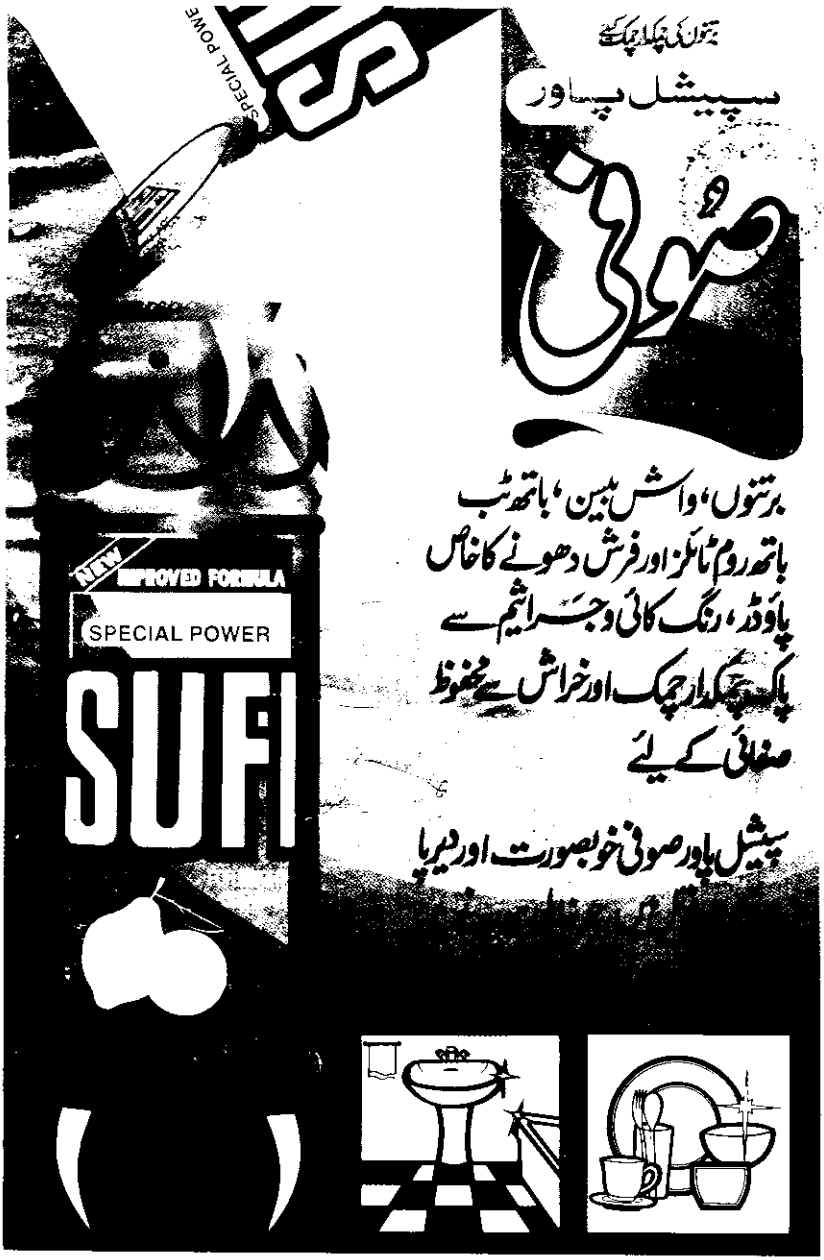

FOTO SCAN PH;7234042-7111906